

نقدِ انیس

مصنف

سید مسعود حسن رضوی ادیب

نقدِ انیس

نقدِ انیس

مصنف

سید مسعود حسن رضوی ادیب

ناشر



شہاد پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۰



جملہ حقوق بحق نیر مسعود محفوظ

نقدِ انیس	:	کتاب کا نام
سید مسعود حسن رضوی ادیب	:	مصنف
۲۰۰۴ء	:	سن اشاعت
۵۰۰	:	تعداد
افراح کمپیوٹر سنٹر D-15 بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵	:	کمپوزنگ
ایڈیٹڈ ٹریڈرس، نئی دہلی	:	طباعت
۳۰۰ روپے (Rs. 300/-)	:	قیمت
ڈاکٹر شاہد حسین	:	ناشر



ملنے کے پتے

- ۱۔ نیر مسعود: ۱۰ دبستان، دین دیال روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳
 - ۲۔ شاہد پبلیکیشنز ۲۲۵۳، ریشم اسٹریٹ، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۲۔
- فون نمبر: 011-55394044, 23248164

فہرست مضامین

نقد انیس کی سرگزشت

نیر مسعود

۹

”نقد انیس“

۱۷	۱۔ قادر الکلامی
۲۱	۲۔ واقعہ نگاری
۲۳	۳۔ منظر نگاری
۲۵	۴۔ جذبات نگاری
۳۲	۵۔ سیرت نگاری
۵۱	۶۔ غم کی عکاسی
۵۵	۷۔ اخلاقی بلندی
۶۰	۸۔ ترتیب و ربط و تسلسل
۶۴	۹۔ فصاحت
۷۵	۱۰۔ بلاغت
۸۳	۱۱۔ حسن تخیل
۸۸	۱۲۔ اعتدال
۸۹	۱۳۔ گفتگو اور مکالمہ
۹۱	۱۴۔ رخصت
۱۲۶	۱۵۔ سراپا
۱۳۳	۱۶۔ رجز

۱۳۵	۱۷۔ تلواری
۱۳۷	۱۸۔ گھوڑا
۱۳۹	۱۹۔ بیانِ رزم
۱۷۱	۲۰۔ بین
۱۷۹	۲۱۔ مقطوعے
۱۸۲	۲۲۔ فطرتِ انسانی کا علم
۱۹۳	۲۳۔ ابتدائی اور انتہائی کلام
۲۲۵	۲۴۔ ردیف اور قافیے کا حسن استعمال
۲۲۸	۲۵۔ اصلاحِ مذاق اور تجدیدِ شاعری
۲۳۰	۲۶۔ دشوار گزار راہیں
۲۳۲	۲۷۔ مرثیے کا تاریخ سے تعلق
۲۳۵	۲۸۔ زبانِ خاموشی
۲۳۸	۲۹۔ مرثیے کی تنقید
۲۴۰	۳۰۔ مطبوعہ مرثیے غلط ہیں
۲۴۲	۳۱۔ متفرقات
۲۵۴	۳۲۔ مندرجہ ذیل باتیں کلامِ انیس میں تلاش کرنا چاہیے
۲۵۵	۳۳۔ مقابلہ کرو



سید مسعود حسن رضوی ادیب

(تاریخ پیدائش ۲۹ جولائی ۱۸۹۳ء، تاریخ وفات ۲۹ نومبر ۱۹۷۵ء)

نیر مسعود

نقد انیس کی سرگزشت

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب کے پیش نظر شروع ہی سے میر انیس کے فن پر مفصل کتاب لکھنے کا منصوبہ تھا۔ اس مقصد سے انھوں نے کلام انیس کی مطبوعہ جلدیں اور قلمی نسخے بڑی تعداد میں فراہم کیے اور ان کا بار بار غائر مطالعہ کیا۔ انیس کے بارے میں تصنیفات اور مضامین کے تراشے جمع کرتے اور ان سے نوٹ بناتے رہے۔ مراٹھی انیس کے منتخب بند خود نقل کر کے اور اپنے منشیوں سے نقل کروا کے رکھے اور اس تمام عرصے میں انیس پر مفرد مضامین اور کلام انیس کے انتخاب بھی چھاپتے رہے۔ مضامین کا مجموعہ ”ہیسیات“ کے نام سے تیار کیا جو یوپی اردو اکادمی نے دوبار چھاپا۔ ”روح انیس“ کے نام سے انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب (۱۹۳۱ء) تیار کیا۔ اس میں کئی مقدمے اور فرہنگ شامل کی۔ یہ انتخاب بہت مقبول ہوا اور اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ پھر کتاب ”شاہکار انیس“ مرتب کی۔ یہ انیس کا مرثیہ ”جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے“ تھا (۱۹۴۴ء) یہ ایک ضخیم کتاب ہے (۳۰۰ صفحات سے زائد، اس کی اشاعت نظامی پریس، لکھنؤ سے پریس کے مالک اور باکمال خطاط مرزا محمد جواد نے کی۔ یہ اب نوادر میں شمار ہوتی ہے اور اردو طباعت اور خطاطی کا اعلیٰ نمونہ ہے)۔ پھر انیس کے کلام سے ساڑھے بارہ سو بند کی ایک مسلسل رزمیہ نظم ”رزم نامہ انیس“ مرتب کی اور ایک کتابچہ ”شاعر اعظم انیس“ شائع کیا۔ انیس کی خاندانی شعری روایت کو واضح کرنے کے لیے کتاب ”اسلاف میر انیس“ لکھی۔ اسی دوران انھوں نے مختلف موضوعات پر بھی اہم کام کیے اور کئی تحقیقی کتابیں اور کثیر تعداد میں مضامین لکھے۔ میر انیس پر کتاب لکھنے سے پہلے انھوں نے انیس سے قبل تک کے مرثیے کی تاریخ لکھنے کا

منصوبہ بنایا اور اس کی پہلی جلد جو فارسی مرثیے پر تھی مکمل بھی کر لی (یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے)۔ اردو کے قدیم مراثنی پر ایک کتاب ”شمالی ہند میں اردو کی قدیم ترین نظمیں“ بھی شائع کی۔ یہ ”تاریخ مرثیہ“ بجائے خود ایک مہتمم بالشان تحقیقی کام ہوتا لیکن نامکمل رہ گیا۔

عثمانیہ یونیورسٹی میں سماجیات کے پروفیسر جعفر حسن کو جب ”تاریخ مرثیہ“ کے منصوبے کا علم ہوا تو انھوں نے ادیب کو ایک خط میں لکھا:

”..... آپ کی نظر تنقید، طرز تحریر، اسلوب بیان اور وسعت نگاہ کے مد نظر میری طرح بہت سوں کو توقع ہے کہ آپ کے قلم سے جو کتاب انیس کے بارے میں نکلے گی وہ جامع، مانع، معیاری اور مستند ہوگی۔ اس حد تک سبھی متفق ہیں۔ خود آپ کو خدا کے بھروسے یہ توقع ہے کہ آپ یہ کام بہ حسن و خوبی انجام دے سکیں گے۔ اب صرف اس حد تک اختلاف ہے کہ مجوزہ کتاب کے لکھنے کے لیے کیا طریق کار ہونا چاہیے؟

عام اور قدیم رواج کے مطابق انیس کے مرثیوں پر تنقیدی نظر ڈالنے سے پہلے عام مرثیہ گوئی کی تاریخ واری سرگذشت پھر اردو میں مرثیوں کی تاریخ، نیز ممتاز مرثیہ گوئیوں اور مراثنی کا ذکر ہونا چاہیے؟

یا

ابتدا ہی انیس سے کر کے انیس کی زندگی، اور ان کے مرثیوں پر تنقید اور ان پر تبصرہ ہونا چاہیے؟ میری قطعی رائے ہے کہ دوسرا طریق سب سے بہتر اور مقدم ہے۔ مرثیوں اور مرثیہ گوئی سے دلچسپی کا سب سے بڑا اور سب سے اہم مرکز انیس ہے۔ اگر انیس نہ ہوتے تو مرثیوں کا وہ وقار ہی نہ ہوتا جو آج مرثیوں کو ادبی نقطہ نظر سے بھی نصیب ہے۔ اگر انیس نہ ہوتے تو آپ جیسے غیر معمولی قابل اور فاضل افراد مرثیوں کی طرف خالص ادبی نقطہ نظر سے متوجہ بھی نہ ہوتے۔

غرض ہر لحاظ سے انیس ہی کی ذات..... انھیں کا کلام تحقیق اور تبصرے کا منتظر ہے اور انیس پر کسی مستند، معیاری، جامع کتاب کے نہ ہونے کی وجہ سے اب بھی بہت سے لوگوں کو انیس کے مرتبے اور پائے کا اندازہ نہیں ہے۔ لہذا میری گزارش ہے کہ آپ سب کام چھوڑ کر سب سے پہلے انیس کے بارے میں ایک مبسوط سوانح عمری اور ان کے کلام پر تنقید و

تبصرہ لکھ ڈالیے اور اس کے بعد تاریخی پس منظر وغیرہ پیش کرنے اور انیس انیس میں مدد دینے والی چیزیں بیان کیجیے۔

آپ کی خدمت میں ایک اور بات عرض کرتے ہوئے جھجک رہا ہوں۔ ہمارے مشرقی آداب تحریر اس کے روادار نہیں، ہماری تہذیب بھی مانع آتی ہے مگر ضرورت ایسی آپڑی ہے کہ کہے بن چارہ نہیں۔ یوں تو خدا کے فضل سے آپ ہر طرح باصحت ہیں اور برسر خدمت افراد، نیز نو جوانوں سے زیادہ کام کاج کے اہل ہیں مگر پھر بھی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انیس کے کلام کی خاطر صرف تاریخی پس منظر ہی تیار ہو کر رہ جائے۔ میں Sociologist ہوں۔ عالموں اور محققوں کی اوسط عمر، خاص کر ہندوستانی عالموں کی اوسط عمر، سے بہ خوبی واقف ہوں، اس لیے یہ گستاخی کرنے کی ہمت کر رہا ہوں کہ آپ کو ایک قدرتی خطرے کی طرف متوجہ کروں اور آپ سے مودبانہ طور پر معافی چاہتے ہوئے یہ التجا کروں کہ آپ نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اسے معکوس طور پر شروع کیجیے۔ یعنی انیس کے کلام پر ریویو سب سے پہلے، اس کے بعد دوسری جلد میں انیس کی سوانح زندگی، تیسری جلد میں انیس کے ہم عصر مرثیہ گوئیوں کا تذکرہ اور تاریخ مرثیہ گوئی، سب سے آخر میں فارسی اور عربی میں مرثیہ گوئی کی تاریخ۔

اگر آپ نے یہ کام انجام دے دیا تو آپ کا اردو دنیا پر احسان عظیم ہوگا اور آپ کی وجہ سے انیس اور انیس کے کلام کی ایسی قدر و منزلت ہوگی جو انیس کے شایان شان ہے۔

آخر میں میں دوبارہ معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کی خدمت میں چند ایسی باتیں بھی لکھی ہیں جو بے ادبی پر محمول کی جاسکتی ہیں مگر مجھے امید ہے کہ آپ میری شدت تحریر کو میرے عقیدوں کی گہرائی سے منسوب کریں گے اور بہر حال مجھے معاف فرمائیں گے کیونکہ دراصل یہ خط درخواست نامہ ہی نہیں بلکہ معروضہ ہے۔ اگر آپ اس پر توجہ کریں گے تو میں زندگی بھر اس بات کو اپنے لیے قابل فخر سمجھوں گا کہ میں نے ایک بہت بڑے شاعر پر تنقید و تبصرہ کرنے کے لیے اردو کے سب سے بڑے نقاد کو ٹھیک اس وقت آمادہ کیا جب کہ ان کی توجہ کی سخت ترین ضرورت تھی۔

فقط

جعفر حسن

خادم

ڈاکٹر جعفر حسن کا یہ خط ۲۳ فروری ۱۹۵۷ء کا ہے۔ اس وقت ادیب کی عمر ۶۲، ۶۳ سال کی اور صحت قابل رشک تھی۔ اس کے بعد ادیب قریب بیس سال زندہ رہے۔ اتنا عرصہ انیس پر کتاب مکمل کرنے کے لیے کافی تھا لیکن وہ اپنے کچھ نامکمل کاموں (واجد علی شاہ اور اردو ڈراما اور اسٹیج وغیرہ) کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے بعد کئی خطوں میں جعفر حسن صاحب انیس پر کتاب کی یاد دہانی کرتے رہے۔ ۲۰ فروری ۱۹۶۷ء کے خط میں انیس پر اپنے ایک مقالے کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا:

”ہندی اور اردو ادب کا میں نے کبھی باضابطہ مطالعہ نہیں کیا۔ محض شوق نے (اور اگر آپ

تھوڑی سی گستاخی معاف فرمائیں تو آپ جیسے ماہر اور مستند اہل زبان اور اہل کمال کی بے

توجہی نے) انیس پر تھوڑا بہت کام کرنے پر آمادہ کیا۔“

لیکن ادیب دوسری تحریروں سے فرصت پا کر پوری دلجمعی کے ساتھ میرا انیس پر کام میں مصروف ہونا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے جو تیاریاں کر لی تھیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ مختلف عنوانوں کے تحت کلام انیس کا انتخاب جس سے کتاب میں کام لینا تھا۔

قریب ۸۰۰ صفحات

۲۔ مسودے، اقتباسات وغیرہ جو مطبوعہ مضامین (زیادہ تر ”انیسیات“) میں

قریب ۳۰۰ صفحات

استعمال ہو گئے ہیں۔

قریب ۳۰۰ صفحات

۳۔ انیس پر مجوزہ تصنیف کا خلاصہ

کل صفحات تخمیناً ۱۴۰۰

یہ کتاب کئی جلدوں میں تیار ہونا تھی۔ انیس کے کلام کی مختلف خصوصیات اور ان کے مرثیوں کے اجزائے ترکیبی کا الگ الگ تذکرہ تفصیل کے ساتھ ہونا تھا۔ مثال میں پیش کیے جانے والے بندوں کا مفصل تجزیہ بھی ہونا تھا۔ یہ کام تو رہ گیا لیکن ادیب نے غالباً ڈاکٹر جعفر حسن کے اصرار پر اپنی مجوزہ تصنیف کا خلاصہ تیار کر لیا تھا۔ اس کے ابواب بھی مقرر کر لیے تھے اور اس کا مبیضہ بھی بنالیا تھا جو کم و بیش تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ فہرست مضامین اس مبیضے میں نہیں ہے لیکن مسودے میں موجود ہے۔ یہ فہرست حسب ذیل ہے:

- ۱۔ قادر الکلامی
- ۲۔ واقعہ نگاری
- ۳۔ جذبات نگاری
- ۴۔ سیرت نگاری
- ۵۔ اخلاقی بلندی
- ۶۔ منظر نگاری
- ۷۔ ترتیب و ربط و تسلسل
- ۸۔ بلاغت
- ۹۔ حسن تخیل
- ۱۰۔ اعتدال
- ۱۱۔ بیان رزم
- ۱۲۔ گفتگو اور مکالمہ
- ۱۳۔ فصاحت
- ۱۴۔ رخصت
- ۱۵۔ سراپا
- ۱۶۔ تلموار
- ۱۷۔ گھوڑا
- ۱۸۔ رجز
- ۱۹۔ بین
- ۲۰۔ اصلاح مذاق اور تجدید شاعری
- ۲۱۔ دشوار گزار راہیں
- ۲۲۔ مرثیے کا تاریخ سے تعلق
- ۲۳۔ مطبوعہ مرثیے غلط
- ۲۴۔ زبان خاموشی
- ۲۵۔ مرثیے کی تنقید۔ متفرقات
- ۲۶۔ فطرت انسانی کا علم
- ۲۷۔ ردیف اور قافیے کا حسن استعمال
- ۲۸۔ ابتدائی اور انتہائی کلام میں فرق یا
- ۲۹۔ مقابلہ کرو
- ۳۰۔ تشبیہ و استعارہ، صنائع لفظی و

معنوی، حالت کی تصویر

دو باب ”غم کی عکاسی“ اور ”مندرجہ ذیل باتیں کلام انیس میں تلاش کرنا چاہیے“ فہرست میں نہیں ہیں لیکن مبیضے میں موجود ہیں۔

ان ابواب کے تحت ادیب کو بہت تفصیل سے لکھنا تھا مگر موجودہ صورت میں تفصیل کم ہے۔ شروع کے ابواب میں مثالیں نہیں کے برابر ہیں۔ بہت سے ابواب میں مثالیں زیادہ ہیں۔ لیکن وضاحتی بیان اور تجزیے کم ہیں۔

مبیضہ ہر صفحے کے آدھے حصے پر لکھا گیا ہے، آدھا صفحہ سادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ بعض ابواب میں کئی کئی صفحے سادہ چھوڑے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ جب ادیب کو

محسوس ہوا کہ ان کے پاس حسب منشاء کتاب لکھنے کا وقت نہیں رہ گیا ہے تو انھوں نے یہ چاہا تھا کہ اس مبیضے ہی کو کسی حد تک مکمل کر دیں، لیکن انھیں اس کا بھی وقت نہیں ملا۔

۱۹۶۹ء میں ان کی اہلیہ کی وفات نے ان کے ذہن پر بُرا اثر کیا اور وہ کوئی بہت مربوط چیز لکھنے پر قادر نہیں رہے۔ اس زمانے میں وہ اکثر انیس پر حسب منشاء کتاب نہ لکھ سکے کا افسوس کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں ۸۲ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ بالکل آخر میں انھیں یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ وہ ”تاریخ مرثیہ“ اور انیس پر کوئی کتاب لکھ رہے تھے۔

یہ کتاب بجنہ شائع کی جا رہی ہے۔ صرف ابواب کی ترتیب کہیں کہیں بدل دی گئی ہے۔ قادر الکلامی والے باب میں اختصار کی مثال کے بعد طول کلام کی مثال کی صرف سرخی ڈال دی گئی تھی۔ وہاں پر مثال کے طور پر چھ بند دے دیے گئے ہیں۔ ادیب کی عبارتوں میں کوئی رد و بدل نہیں کیا گیا ہے۔

کتاب کا نام ادیب نے غالباً ابھی نہیں رکھا تھا۔ اس کے موضوع کی مناسبت سے اس کا نام ”نقد انیس“ رکھ دیا گیا ہے۔

کتابت کے سلسلے میں ادیب مرحوم کے کچھ اصول تھے، مثلاً ”خوش خصال“ وغیرہ کو ملا کے نہ لکھنا، امالے کی صورت میں مرثیہ، مدینہ وغیرہ کو مرثیے مدینے لکھنا، لیلایے شب قبل کے الفاظ کو ہمزہ کے بغیر لکھنا وغیرہ۔ لیکن مبیضے اور کمپوزنگ میں ان اصولوں کی پیروی نہیں کی گئی ہے۔ کمپوزنگ میں صرف کہیں کہیں پر تصحیح کر دی گئی ہے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی (کناڈا) رٹائی ادب پر بہت کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب کو چھپوانے کا ذمہ لیا اور عزیز دوست ڈاکٹر شاہد حسین (دریا گنج نئی دہلی) نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا۔ دونوں حضرات شکرے کے مستحق ہیں۔

مستور
نیر مسعود



۱۔ قادر الکلامی

”قادر الکلامی“ ان لفظوں میں ہے جو ہر زبان پر جاری ہیں لیکن ان کا مفہوم معین کرنے کی اب تک کوشش نہیں کی گئی اس لیے یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انیس کو قادر الکلام کہنے سے ہمارا مقصد کیا ہے۔ انیس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جو نازک سے نازک خیال دل میں پیدا ہو اور لطیف سے لطیف کیفیت طبیعت پر طاری ہو اسے لفظوں میں بیان کر دیں۔ وہ جیسا خیال ظاہر کرنا چاہتے ہیں اسی کی مناسبت سے ایسے الفاظ کا بھی انتخاب کرتے ہیں جو اپنی آواز سے، اپنے ربط باہمی اور اپنے متعلقات معنوی سے اس خیال کی کامل ترجمانی کرتے ہیں اور سامعین کے دل میں وہی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں جو اس خیال کے ساتھ شاعر کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ اگر کسی دوسرے کا کلام نقل کرنا چاہتے ہیں تو اس نکتے کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ انسانوں کے مختلف طبقوں کی زبان مختلف ہوتی ہے۔ عورتوں اور مردوں، بچوں اور بوڑھوں، شریفوں اور رذیلوں، عالموں اور جاہلوں، نیک طینتوں اور بدسشتوں کے طرز کلام میں جو فرق ہوتا ہے اس کو وہ خوب سمجھتے ہیں اور ہر طبقے کے انداز کلام پر قدرت رکھتے ہیں۔ ان کے پاس الفاظ کا اتنا بڑا خزانہ موجود ہے جتنا کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ اور انتخاب الفاظ میں ان کو وہ غیر معمولی سلیقہ حاصل ہے کہ مناسب مقام کے لحاظ سے بہتر سے بہتر لفظ ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ مترادفات کے نازک فرقوں کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں، اختصار اور طول پر بھی ان کو پورا اختیار ہے۔ ایک ہی بات کو جب چاہتے ہیں متعدد بندوں میں پھیلا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اسی کو سمیٹ کر دو لفظوں میں بند کر دیتے ہیں۔

اختصار کی مثال

گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ جعفر کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ
 ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ ان فراغ پامال ہو گیا حسن مجتبیٰ کا باغ
 لاشے اٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
 جس پر گریں یہ کوہ مصیبت وہ کیا کرے
 صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولت پدر نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
 مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیر زر رخصت ہوئے حسین سے عباس نام در
 دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خون ہوا
 ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

(بند ۸-۹ صفحہ ۳۶۲ جلد اول)

طول کی مثال

نکلے پئے جہاد عزیزان شاہ دیں نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
 روباہوں کی صفوں پہ چلے شیر خشمگیں کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعین
 بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
 کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے
 اللہ رے علی کے نواسوں کی کارزار دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
 شانہ نہ تھا کسی نے جو روکا سپر پہ دار گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا تھا شمار
 اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
 دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں
 وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائییاں آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائییاں
 ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائییاں فوجوں میں تھیں نبی و علی کی دہائییاں
 شوکت جو ہو بہو تھی جناب امیر کی
 طاقت دکھادی دونوں نے نینب کے شیر کی

کس حسن سے حسن کا جوان حسین لڑا گھر گھر کے صورت اسد خشمگیں لڑا
 دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا سہرا الٹ کے یوں کوئی دولہا نہیں لڑا
 حملے دکھا دیے اسد کزدگار کے
 مقتل میں سوئے ازرق شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرت عباس عرش جاہ روح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
 ڈھالوں میں چھپ گیا پسر سعد روسیہ کشتوں سے بند ہوگئی امن و اماں کی راہ
 جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
 لے لی ترائی تیغوں کی موجوں کو پیر کے

بے سر ہوئے موکل سر چشمہ فرات ہلچل میں مثل موج صفوں کو نہ تھا ثبات
 دریا میں گر کے فوت ہوئے کتنے بد صفات گویا حباب ہو گئے تھے نقطہ حیات
 عباس بھر کے مشک کو یوں تشنہ لب لڑے
 جس طرح نہرواں میں امیر عرب لڑے

(جب قطع کی مسافت شب.....)

حسن کلام کی خاطر سے اپنے خیال میں ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر بھی جائز نہیں رکھتے یعنی عبارت ان کے خیال کی تابع ہے نہ کہ ان کا خیال عبارت کا۔ مشکل سے مشکل ردیفیں اور قافیے اختیار کرتے ہیں اور ان کو اس حسن سے صرف کرتے ہیں کہ سرسری نظریں اس دقت کو محسوس بھی نہیں کر سکتیں۔ قادر الکلامی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے کلام سے سامعین پر جواثر چاہتے ہیں ڈال دیتے ہیں۔

کسی ڈرامہ نگار نے، اس میں شیکسپیر ہی کیوں نہ ہو، ایک ہی واقعہ کو کئی ڈراموں کا موضوع نہیں بنایا مگر انیس نے ایک دو نہیں دس دس بیس بیس بلکہ بعض اوقات چالیس چالیس پچاس پچاس مرثیوں میں ایک ہی واقعہ نظم کیا مگر ہر جگہ اس کے جزئیات اور تفصیلات میں کچھ ایسا فرق کر دیا کہ نہ واقعہ خلاف فطرت ہونے پاتا ہے نہ اس کی دلچسپی کم ہونے پاتی ہے نہ نظم

کا زور گھٹنے پاتا ہے۔ انیس کی یہ خصوصیت اگر ایک طرف فطرت شناسی کا کمال ہے تو دوسری طرف قادر الکلامی کی انتہا بھی ہے۔ کلام کا اثر انیس کے ارادے کا تابع ہے۔ وہ ایک ہی واقعہ کو بیان کر کے ہنسا بھی سکتے ہیں اور رُلا بھی سکتے ہیں۔ بلکہ ہنسی کی بات کہہ کر رُلا سکتے ہیں اور غم کی بات کہہ کر ہنسا سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کس محل پر خوشی کی بات رُلا سکتی ہے اور کس موقع پر غم کی بات ہنسا سکتی ہے۔



۲۔ واقعہ نگاری

مورخانہ واقعہ نگاری اور شاعرانہ واقعہ نگاری میں ایک خاص فرق ہے۔ اگر ایک واقعے کے تمام جزئیات کا علم ہو تو اس کو نظم کر دینے کے لیے فقط موزونی طبع کے ہونے کی ضرورت ہے اور اس کا نظم کر دینا شاعری نہیں ہے لیکن کسی واقعہ کے اجمالی علم کی بنیاد پر اس کے تفصیلات تخیل سے پیدا کرنا شاعری ہے۔ اس نکتہ پر نظر رکھ کر ہم انیس کی واقعہ نگاری کو شاعرانہ واقعہ نگاری سمجھتے ہیں۔ واقعہ نگار شاعر واقعات یا ان کی تفصیلات اپنی تخیل سے پیدا کرتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے ہاتھ میں قلم ہے، جب جس واقعے کو جس طرح چاہا لکھ دیا۔ شاعرانہ واقعہ نگاری کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ واقعات شاعر کے قلم کی جنبشوں کے تابع نہ ہوں بلکہ قدرتی اسباب کا نتیجہ ہوں یعنی شاعر جو بھی واقعہ بیان کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اس کو ایسے اسباب جمع کرنا چاہیے کہ وہ واقعہ ان کا فطری نتیجہ ٹھہرے اور فرضی واقعے میں حقیقی واقعے کی شان پیدا ہو جائے۔ یہ حقیقت میں ایک بڑا مشکل کام ہے مگر انیس کو اس میں بھی کمال حاصل ہے۔

ہر واقعے میں بہت سے جزئیات ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں انتقال دہنی کی وہ قوت ہوتی ہے کہ صرف اس بیان سے واقعے کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور صرف ان جزئیات کے ذریعہ سے کسی واقعے کا اجمالی بیان اس کے تفصیلی بیان سے کہیں زیادہ دلچسپ اور موثر ہوتا ہے لیکن ان جزئیات کا انتخاب ہر شاعر کے امکان میں نہیں ہوتا۔ یہ صرف انیس سے باکمالوں کا حصہ ہے۔

کسی واقعے کا لفظوں میں اس طرح بیان کرنا کہ اس بیان سے دل پر وہی اثر طاری ہو

جو اس واقعے کو دیکھنے سے ہوتا اتنا مشکل کام ہے کہ اور شاعروں کی واقعہ نگاری کی معراج یہی ہے لیکن انیس کو واقعہ نگاری میں وہ کمال حاصل ہے کہ بیان واقعہ کا اثر اصلی واقعے کا نہیں بلکہ ان کے ارادے کا تابع ہے وہ ایک ہی واقعے کو کبھی یوں بیان کرتے ہیں کہ طبیعت پر غم کا اثر طاری ہو جاتا ہے اور کبھی یوں کہ دل پر خوشی چھا جاتی ہے۔

اسالیب بیان پر انیس کو وہ قدرت ہے کہ وہ بے سامانی میں سامان، ویرانی میں آبادی، غم میں شادی، مفلسی میں تمول، عظمت میں حقارت، مجبوری میں اختیار اپنی سحر بیانی سے دکھا سکتے ہیں۔

یہ کہنا کہ میر انیس واقعات و حالات کا بیان اس طرح سے کرتے ہیں کہ ان کے بیان سے قلب پر وہی اثر پڑتا ہے جو حالات کے دیکھنے سے پڑتا میر انیس کی شاعری کی وقعت گھٹانا ہے۔ بیشک یہ کام بھی اتنا ہی مشکل ہے کہ دوسرے واقعہ نگاروں کے لیے معراج کمال قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن میر انیس کا مرتبہ اس معیار سے زیادہ بلند ہے۔ واقعات عالم سے متاثر ہونا صرف باریک بین، ذی حس، درد مند طبیعتوں کے لیے ممکن ہے۔ اور ان اوصاف کے ساتھ بھی غور سے دیکھنے کی شرط ہے۔ تمام نگاہیں واقعات کے ان پہلوؤں پر نہیں پڑتیں جن میں متاثر کرنے کی قوت ہے اس لیے ان واقعات کو دیکھ کر متاثر نہیں ہوتیں لیکن انیس واقعات کا بیان اس طرح کرتے ہیں کہ ان کے مؤثر پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بغیر خاص طور پر غور کیے ہوئے اور بغیر قوی قوت مشاہدہ کے بھی ایک معمولی حس اور انسانی دل رکھنے والا ضرور متاثر ہو جاتا ہے۔

تہلی کا قول ہے کہ اردو کیا فارسی میں بھی انیس کی واقعہ نگاری کی نظیریں مشکل سے ملیں گی۔



۳۔ منظر نگاری

منظر نگاری کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ مناظر کی لفظی تصویریں اصلی منظروں کے بالکل مطابق ہوں اور ان سے سننے والے کے دل پر وہی اثر پڑے جو اصل منظر کو دیکھ کر پڑتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ منظر کی تصویر کو اصل سے مطابق کر دکھانا شاعرانہ منظر نگاری کا کمال نہیں ہے۔ با کمال شاعر اپنی قوت تخیل سے قدرتی منظروں میں ایسا تغیر کر دیتے ہیں کہ گو وہ منظر بالکل فطرتی نہیں رہتا مگر خلاف فطرت بھی نہیں معلوم ہوتا اور شاعر کا بیان اصل منظر سے زیادہ دلکش اور پُر اثر ہو جاتا ہے۔

انیس منظروں کے جزئیات میں سے وہ خاص جزیاں منتخب کر لیتے ہیں جس سے پوری تصویر خود ذہن میں آ جاتی ہے۔

انیس کی قوت مشاہدہ اس قدر قوی ہے کہ وہ معمولی چیزوں کے بیان میں جن کو ہم روزانہ دیکھا کرتے ہیں کوئی ایسی خاص کیفیت پیش نظر کر دیتے ہیں جسے عام نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں اور جس کی بدولت انھیں معمولی چیزوں کی تصویر میں ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نقل کا اصل کے مطابق ہونا خود ایک لذت رکھتا ہے لیکن جن شاعروں کی تخیل میں غیر معمولی زور ہے وہ قدرتی مناظر میں کچھ تغیر کر کے ان کو اصل سے بہتر بنا دیتے ہیں اور گویا فطرت کے نقائص کی تلافی کر دیتے ہیں۔ بعض شاعروں نے اپنے زور تخیل سے ایسے مناظر پیدا کر دیئے جو فطری مناظر سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے۔ اس سے گوان کی تخیل کا زور ظاہر ہوتا ہے مگر ان کا بیان اصلیت سے دور ہو کر اثر کھو بیٹھتا ہے۔ اگر دنیا سے نرالا کوئی منظر پیش کرنا شاعر کا مقصد ہو تو اور بات ہے لیکن اگر وہ دنیاوی

مناظر کی تصویریں پیش کرنے کا ادعا کر کے بالکل خلاف فطرت تصویریں پیش کرے گا تو وہ اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ قرار پائے گا۔

اردو میں باقاعدہ منظر نگاری کی ابتدا میر حسن نے کی اور ان کے پوتے میر انیس نے اس کو انتہائی ترقی دی۔

جسے دیکھ کر ہووے مانی کو حیرت

وہ تصویر رنگیں بیاں کھینچتے ہیں

گرمی کی شدت، صبح کا منظر وغیرہ اکثر مقامات پر مرثیے کا جزو حقیقت میں نہیں ہیں۔

ان چیزوں کا مفصل بیان گویا مستقل نظمیں ہیں جو سامعین کی دلچسپی اور اپنے کمال کے اظہار کے لیے موقعے موقعے پر چسپاں کر دی گئی ہیں۔



۴۔ جذبات نگاری

جذبات کے مختلف مدارج ہوتے ہیں۔ کوئی محل انتہائی خوشی، غم، حیرت، غصہ، وغیرہ کا ہوتا ہے، کسی محل پر یہی جذبات بالکل خفیف سے پیدا ہوتے ہیں۔ انتہائی شدت اور انتہائی خفت کے درمیان میں بے شمار مدارج ہوتے ہیں اور سب مدارج کو ملحوظ رکھنا اور ان کو بیان کر سکرنا انیس کا وہ امتیاز ہے جس میں شاید ہی کوئی دوسرا شاعر شریک ہو سکے۔

انسانی جذبات کو سمجھنے اور ان کو ظاہر کرنے کی جو قوت انیس میں تھی اس کا اظہار بعض ایسے مشکل اور نازک موقعوں پر ہوتا ہے جہاں وہ حالات کے تغیر سے ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت زینب کے دو ہی بیٹے تھے دونوں کی لاشیں سامنے رکھی ہیں، غضب کے بین ہو رہے ہیں، ہے کوئی ایسا رسا ذہن اور ایسی فطرت شناس طبیعت جو اس موقع پر ماں کے زرد چہرے پر خوشی کی سرخی دوڑا سکے؟ اس سوال کے جواب میں شاید انیس کے سوا کسی کا نام نہیں لیا جاسکتا۔

زینب نے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ کس طرح لڑے دونوں غلامان ہوا خواہ
حضرت نے کہا مدح میں قاصر ہے زباں آہ زینب مجھے یاد آگئی جنگ اسد اللہ

نانا کی طرح دونوں نواسوں نے دعا کی

بچوں کی نہ تھی جنگ یہ قدرت تھی خدا کی

تیغوں میں یہ تیزی یہ صفائی نہیں دیکھی یہ ضرب یہ پھرتی یہ لڑائی نہیں دیکھی
شیروں کی یہ پر زور کلائی نہیں دیکھی اعدا میں یہ ہلچل یہ دہائی نہیں دیکھی

صفین و جمل میں بھی رن ایسے نہ پڑے تھے

تم پوچھ لو عباس تو نزدیک کھڑے تھے

عباس نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے جو کر گئے یہ لال وہ باہر ہے بیاں سے
لڑتے تھے اسی طرح علی فوج گراں سے افسوس کہ یوں اٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
تکواریں جب ان کی مجھے یاد آتی ہیں آقا
دو بجلیاں آنکھوں میں چمک جاتی ہیں آقا
کیا عرض کروں ہائے محمد کی لڑائی گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھے جد کی لڑائی
بس صاف تھی صفین کی سرحد کی لڑائی غل تھا کہ یہ ہے بازوے احمد کی لڑائی
رن پر جو چڑھا ہو وہی جانے کہ یہ کیا تھا
دنیا میں علی آج جو ہوتے تو مزا تھا
یہ سنتے ہی سرخی سی رخ زرد پہ آئی حضرت سے کہا آپ کا صدقہ ہے یہ بھائی
کونین میں عزت مرے دلبندوں نے پائی اب شاد ہوئی ان سے ید اللہ کی جائی
آقا مجھے پیار آتا ہے اقبال پہ ان کے
بیکس ہیں خدا رحم کرے حال پہ ان کے
فرما کے یہ لیس ان کی بلائیں کئی باری شانوں کو پھر آہستہ ہلا کر یہ پکاری
کرتے ہیں امام دو جہاں مدح تمھاری یہ کیا ہے جو تسلیم کو اٹھتے نہیں داری
صدقے گئی یہ نیند ہے یا غش میں پڑے ہو
بیٹھے ہیں حسین ابن علی اٹھ کے کھڑے ہو

(ص ۲۴۱-۲۴۲ جلد دوم)

ایک ہی موقع پر ایک ہی شخص کے جذبات مختلف طرح کے بلکہ متضاد دکھاتے ہیں مگر ہر دفعہ حالات میں کچھ ایسا تغیر کر دیتے ہیں کہ جذبات فطرت کے مطابق ہی رہتے ہیں۔ آپ ذیل کے بند جو دو مختلف مرثیوں سے لیے گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں حضرت عباس کی جہاد کے لیے امام سے اذن طلبی کے موقع پر زوجہ عباس کے جذبات کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایک موقع پر زوجہ عباس متردد ہیں اور چاہتی ہیں کہ حضرت عباس کو جہاد کے قصد سے باز رکھا جائے۔ اس جذبے کی مصوری کا کمال ان دو بندوں میں ملاحظہ فرمائیے۔

کہتی ہے رو کے بانوے عالم سے بار بار ہم کو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار

ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار کچھ آپ بولتی نہیں اس دقت، میں شار
 کہتے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
 اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو
 اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیے امداد بہر حضرت شبیر کیجیے
 کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیے پڑکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیے
 اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
 بی بی! میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں!

بند ۷۳ و ۷۴ ص ۲۷۷ ج ۲

مطلع: جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا

کون کہہ سکتا ہے کہ عباس کی شہادت کے بعد اپنے رنڈاپے اور بچوں کی یتیمی کے تصور
 سے دہشت زدہ خاتون کے جذبات اس سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

مگر نہیں۔ حالات میں خفیف سا تغیر کر کے انیس نے اسی مخدرہ عفت کے جذبات
 میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ جذبہ ایثار و قربانی کو ابھار کر خانوادہ نبوت کی دوسری مخدرات
 سے پیچھے نہ رہ جانے کی خواہش دکھا کے زوجہ عباس کی دنیا ہی بدل دی ہے۔ یہ وہ موقع ہے
 کہ جناب سکیمنہ کی فرمائش پر حضرت عباس پانی کے لیے عازم دریا ہیں اور جناب زینب سے
 مصر ہیں کہ امام سے اجازت دلانے میں سعی کریں اور جناب زینب کو ”مرتضیٰ کی کمائی“
 کھوجانے کا خوف ہے اور آپ انکار فرماتی ہیں :

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکستہ حال کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال
 جیتا ہے تم کو دیکھ کے خیرالنسا کا لال نیکی بدی ہو کچھ تو کہیں شاہ خوش خصال
 زینب نے مرتضیٰ کی کمائی کو کھودیا
 بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھودیا

یہاں بچوں کی شدت عطش اور بے قراری کا اثر زوجہ حضرت عباس کے دل پر دوسرا
 ہی ہے۔ یہاں انیس نے جس طرح زوجہ عباس کے جذبات کی عکاسی کی ہے وہ کس قدر
 مطابق فطرت ہے۔

کہنے لگی یہ زوجہ عباس خوش صفات بی بی بھلا یہ کون سی وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لے کے اب یہ نہ جائیں سوے فرات پھر ننھے ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات
ہر وقت کبریا سے طلب گار خیر ہوں
آگے جو کچھ سمجھوں کی رضا میں تو غیر ہوں

بند ۹، ۱۰ ص ۸۸-۲۸۷ ج ۲

مطلع: جاتا ہے شیر بیشہ حیدر فرات پر

بھائی کی موت اور بیٹے کی موت سے جس طرح کے اثر دل پر پڑتے ہیں ان میں ایسا
نازک فرق ہوتا ہے کہ اس کا محسوس کرنا بھی مشکل ہے، بیان کرنے کا کیا ذکر۔ لیکن انیس
جذبات کے یہ نازک فرق دکھانے میں کمال رکھتے ہیں۔ اس کمال کا جلوہ آپ ان بندوں
میں ملاحظہ کریں

دنیا سے کوچ کر گئے عباس نامدار اب بے چراغ ہے لحد شیر کردگار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار مثل خلیل کیجئے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھرے پیٹ کے سر کو نہ رویئے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ رویئے

بھائی کا داغ اور ہے داغ پسر ہے اور بازو کا درد اور ہے درد جگر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے نور نظر ہے اور سینے کا زخم اور ہے درد کمر ہے اور
گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجئے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجئے

بند ۴، ۵ ص ۳۳۳ ج ۱

مطلع: جب بادبان کشتی شاہ امم گرا

حضرت علی اکبر کی خوش آوازی کا اثر ماں پر کچھ اور پڑتا ہے، پھوپھی پر کچھ اور۔ اس
فرق کو ان بندوں میں دیکھئے۔

ناموس شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
نہنب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار صدقے نمازیوں کے موذن کے میں نثار

کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
 لوگو ازاں سنو مرے یوسف جمال کی
 یہ حسن صوت اور یہ قرأت یہ شہد
 گویا ہے لحن حضرت داؤد با خرد
 حقا کہ الفصحیٰ ہے انھیں کا جد
 شعبے صدا میں پٹھڑیاں جیسے پھول میں
 بلبل چمک رہا ہے ریاض رسول میں
 میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
 عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
 وہ لوزئی کہ جس کی طلاق دلوں کو بھائے
 دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
 غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسین پر
 فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نور عین پر

بند ۲۴، ۲۵، ۲۶ ص ۴ ج ۴

مطلع: جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

شیریں کا اشتیاق ملاقات امام اور اقرباے امام سے
 ہمایوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار اب کیجیو زیارت سلطان نامدار
 ہے باغ فاطمہ پہ عجب حسن کی بہار رشک ریاض خلد ہے ایک ایک گلزار
 سب نونہال گلشن دیں لا جواب ہیں
 قد سرو باغ حسن ہیں رخ آفتاب ہیں
 شمشاد بوستان پیمبر کو دیکھیو سرو ریاض حضرت شہر کو دیکھیو
 کیا نوجواں ہے شہ کے برادر کو دیکھیو سب ایک سمت تم علی اکبر کو دیکھیو
 ہوگا کبھی یہ حسن ملک کا نہ حور کا
 جلوہ ہے اس جری میں محمد کے نور کا

(۲۹-۳۰ ص ۲۱۶ جلد چہارم)

کر بلا میں داخل ہونے کے وقت امام کے جذبات
 اترے رفیق خاص قریب خیام شاہ کچھ فاصلے سے گرد فروکش ہوئی سپاہ

نکلا حرم سے حضرت خیرالنسا کا ماہ کرسی پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بار گاہ
 ہر نخل غیرت شجر طور ہو گیا
 صحرا خدا کے نور سے معمور ہو گیا
 اس دن بہت اداس تھا زہرا کا یاد گار زردی تھی رخ پہ گیسوؤں پر راہ کا غبار
 صحرا پہ گہہ نظر تھی گہے سوے کوہ سار کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
 کس کو نہ بے وطن کیا کس پر جفا نہ کی
 اے دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی

(۱۲-۱۳ ص ۹۲ جلد اول)

حضرت قاسم میدان جنگ کا قصد کرتے ہیں۔ اس وقت ان کی دلہن کے جذبات:-
 فق ہو گئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر بانو نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
 خاموش تھی گھونگھٹ میں دولہن صورت تصویر دولہا کا سخن سن کے کلیجے پہ لگا تیر
 چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
 کچھ منہ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے
 جوں شمع لگی آتش غم فرق سے تاپا رنگ اڑنے لگا چھا گیا چہرے پہ رنڈا پا
 تصویر بنی غم کی دلہن بن کے سراپا پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
 پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈا سالہ ہے تن میں
 کنگن سے یہ ثابت تھا کلائی ہے رسن میں
 آنکھوں کو رنڈا پے کا نظر آ گیا ساماں سینے پہ چلی وصل میں تیغ غم ہجراں
 خود ہو گئے سب گوندھے ہوئے بال پریشاں ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں
 وہ رشک چمن غم سے جو سرگرم فغاں تھی
 ہر آہ میں سہرے کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی
 غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی اب سر پہ رنڈا پے کی بلا چرخ نے ڈالی
 کچھ منہ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ ناز کی پالی یہ ہونٹ چبائے کہ اڑی پان کی لالی
 آپڑتے تھے اشک آنکھوں سے رخساروں پہ ڈھل کر
 رہ جاتی تھی وہ مہندی لگے ہاتھوں کو مل کر

زانو پہ جھکا جاتا تھا سر شرم کے مارے سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
وہ کہتی تھی اب ناک سے نتھ کوئی اتارے رو رو کے سیکنہ سے یہ کرتی تھی اشارے
اس تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو
سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لا کے پنھا دو

۱۲-۱۸ ص ۱۹۳ جلد اول

مفرد جذبات دکھانا ہی بہت مشکل کام ہے لیکن مرکب جذبات کا بیان اور بھی مشکل
ہے مگر دیکھئے کہ حضرت قاسم کی شہادت کے بعد حضرت عباس کے غصے، جوش شجاعت، ولولہ
جنگ اور اجازت نہ ملنے پر ضبط کے مخلوط جذبات انیس نے کس خوبی سے دکھائے ہیں۔
چلاتی تھی کھیتی ہوئی مجھ رائڈ کی پامال اک شب کی دلہن چھوڑ گیا ہائے مرالال
روتے تھے حسین آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال تھا غیظ سے عباس دلاور کا عجب حال
منہ سرخ تھا اور اشک بھی آنکھوں میں بھرے تھے

جھنجھلائے ہوئے ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے

تکتے تھے سوئے فوج مخالف صفت شیر رہ جاتے تھے ہر صف کی طرف تول کے شمشیر
تھا غم سے بھتیجے کے جہاں آنکھوں میں اندھیر کہتے تھے کہ مرجانے میں کی ہم نے بڑی دیر
پہلے ہی نہ کیوں اٹھ گئے ہستی کے چمن سے
نادم کیا قسمت نے حسین اور حسن سے

لٹتے ہوئے شادی کا چمن دیکھ چکے ہم پامال خزاں باغ حسن دیکھ چکے ہم
نکڑے ہوا دولہا کا بدن دیکھ چکے ہم بیوہ ہوئی اک شب کی دلہن دیکھ چکے ہم
دشمن کو بھی یہ داغ نہ تقدیر دکھائے
اب دیکھیں ہمیں کیا فلک پیر دکھائے

اس ہاتھ کے اس تیغ کے مالک شہ دلگیر قبضہ بھی نہ اپنا ہو تو بیکار ہے شمشیر
ہم قید ہوں شاید ہے یہی مرضی شبیر کچھ زور نہیں خیر پہن لیویں گے زنجیر
ہے نام سے مطلب نہ شجاعت سے غرض ہے
ہم کو فقط آقا کی اطاعت سے غرض ہے

جذبات کا صراحت کے ساتھ بیان کرنا بھی لطف سے خالی نہیں ہوتا لیکن کسی کی گفتگو یا حالت اس طرح دکھانا کہ اس کے جذبات خود بخود ظاہر ہوتے ہوں خاص لطف رکھتا ہے۔ ایک موقع پر حضرت عباس امام سے رخصت اس طرح طلب کرتے ہیں جس سے ان کی آزر دگی بھی صاف ظاہر ہوتی ہے۔

تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت غیروں نے کیا سر سے ادا حق رفاقت
ہاں سچ بھی ہے اے گوہر دریائے صداقت اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجھ کو لیاقت

حاضر ہے یہ شمشیر دودم بھی انہیں دتے

رخصت جنہیں ملتی ہے علم بھی انہیں دتے

مطلب نہ علم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام اب ہے نجف اور گریہ وزاری سحر و شام

لشکر کا نشان پا کے بھی قسمت میں نہ تھا نام افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام

قسمت ہی بری ہے نہیں تقصیر کسی کی

یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی

۲۷-۲۸ ص ۲۲۳-۲۲۴

مطلع: اے تیغ زباں جو ہر تقریر دکھا دے

اظہار جذبات کے طریقوں کے مختلف مدارج ہوتے ہیں، مثلاً کسی کے جذبہ مسرت کے اظہار کا سب سے ادنیٰ طریقہ یہ ہے کہ ”وہ خوش ہوا۔“ اس سے بہتر اور زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہے کہ ”وہ مسکرایا“ اس سے بھی زیادہ مؤثر مگر نہایت مشکل طریقہ یہ ہے کہ خوشی کے وقت ہونٹوں، رخساروں، آنکھوں اور دیگر اعضائے جسم میں جو ظاہری اور باطنی تغیرات اور حرکات واقع ہوتے ہیں وہ سب بیان کیے جائیں۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ خوش ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس حد تک خوش ہے۔

بعض وقت انسان کے دل میں کئی طرح کے جذبات مخلوط ہو کر ایک مرکب کیفیت طاری ہوتی ہے، مثلاً مدت کے بعد کسی کو اپنا کھویا ہوا بیٹا مل جائے تو اس کے دل میں خوشی، غم اور حیرت کے مرکب جذبات ایک ساتھ پیدا ہوں گے۔ بعض وقت انسان کے دل میں دو طرح کے جذبات یکے بعد دیگرے کچھ دیر برابر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ انیس ایسے نازک

موقعوں پر جذبات کی فطری حالت کو محسوس کر سکتے ہیں اور ان کو لفظوں میں ادا کر سکتے ہیں۔

خوش بھی ہوئے رونے بھی لگے سرور ذی شاں ہمشکل پیہر سے کہا اے مہ تاباں

عرصہ نہیں تیار ہے سب فوج کا ساماں لاؤ علم فوج کو خیمے سے مری جاں

زینت ہے یہی فوج حسین ابن علی کی

سب کرلیں زیارت کہ نشانی ہے نبی کی

بند ۷۰ ص ۱۳۸ ج ۲

مطلع: جب طے کیا شہ نے سفر راہ خدا کو

وہ اکثر جذبات کے علامات نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں مگر ان مختصر

بیانوں میں جذبات کے دفتر پوشیدہ ہوتے ہیں۔ نگاہیں اکثر وہ نازک مطالب ادا کر دیتی ہیں

جو زبان سے ادا نہیں ہو سکتے۔ انیس اس نکتے پر ہمیشہ نظر رکھتے ہیں اور ان نازک مطالب کو

ہمیشہ نگاہ سے ادا کرواتے ہیں مثلاً

ع بیڑی کو کبھی اور کبھی افلاک کو دیکھا

ع زینب پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر کی

ع گہہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانب علم



۵۔ سیرت نگاری

سیرت نگاری کی ابتدا اردو میں میر انیس نے کی اور اس وقت تک کی شاعری پر نظر کر کے کہہ سکتے ہیں کہ اس کی انتہا بھی میر انیس ہی نے کی۔ انیس کے مرثیوں میں ہر شخص کی سیرت معین ہے سوا ان لوگوں کے جن کے افعال کا واقعہ کربلا پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ ایک ہی واقعے کا اثر مختلف سیرتوں پر مختلف ہوتا ہے۔ انیس انسانی فطرت کے زبردست علم کی بدولت اس نکتے کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہیں۔

انیس کے مرثیوں میں چند کردار ہیں جن کو زندہ شخصیتیں سمجھنا چاہیے اور وہ یہ ہیں:-
 امام حسین، حضرت عباس، حضرت علی اکبر، حضرت قاسم، حضرت عون و محمد، امام زین العابدین، علی اصغر، حبیب ابن مظاہر، حضرت زینب، ام کلثوم، حضرت شہر بانو، حضرت ام لیلے، زوجہ حضرت عباس، مادر حضرت قاسم، فضہ، سکینہ، حضرت صفراء، شیریں، ہند۔ ان شخصیتوں میں بھی صرف چند کی سیرتیں تفصیل کے ساتھ معین ہیں اور ان کے مخصوص امتیازات ہر جگہ نمایاں ہیں۔ باقی شخصیتوں میں عام انسانی خوبیاں حد کمال تک موجود ہیں۔ لیکن انیس نے ان کے بارے میں ایسی باتیں نہیں بیان کی ہیں جن سے ایک کی سیرت کو دوسرے کی سیرت سے ممتاز کر سکیں۔ مذکورہ بالا شخصیتوں کے علاوہ مرثیوں میں اور لوگوں کا بھی ذکر ہے لیکن وہ محض نام ہیں نہ ان کی سیرت معین ہے نہ واقعہ کربلا میں ان کے کاموں کی کوئی خاص اہمیت ہے۔ علامہ سید علی حیدر لظم طباطبائی نے میر انیس کے اس کمال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے:-

”سودا و میر قصیدہ و غزل کے استاد تھے مگر مثنوی کہنا میر حسن کا حصہ تھا۔ انہوں نے بدر منیر و

دخت وزیر و عیش بائی کی جو تصویریں کھینچی ہیں یہی مصوری میر انیس کو میراث میں ملی تھی۔ انہوں نے امام حسینؑ اور حضرت عباسؓ، پھر حر شہید و ابن مظاہر میں، جو امتیاز رکھا ہے وہ مصوری کی حدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے..... اہل بیت میں ایک بی بی دختر زہرا ہیں، ایک خاتون کسریٰ کی پوتی ہیں۔ دونوں کے ماتم کرنے اور بین کرنے کی شان علیحدہ علیحدہ ہے۔“

علامہ طباطبائی مراٹھی میر انیس جلد دوم خاتمہ ص ۱۹-۵۱۸

اب آپ کلام انیس میں سیرت نگاری کے ایسے منتخب مرقع ملاحظہ فرمائیے جس سے ہر بزرگ کی شان حفظ مراتب اور اپنے امتیازی خصوصیات کے ساتھ نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔

امام حسینؑ کی سیرت

یعقوب پہ ثابت تھا کہ زندہ ہے جگر بند یوں روتے تھے جس طرح کہ مرجاتا ہے فرزند
تھی ان سے ہوا بیٹے کی الفت انہیں وہ چند لیکن پسر فاطمہ تھا خرم و خرسند
فرماتے تھے فرزند عنایت ہے خدا کی
دینے میں ہے کیا عذر امانت ہے خدا کی



حال اپنا اشاروں میں جو ماں کرتی تھی اظہار رہ جاتا تھا رو کر پسر بیکس و ناچار
رخصت جو طلب باپ سے کرتا تھا وہ دلدار فرماتے تھے حضرت کہ جو جنگ کے ہتھیار

فرزند بھی گھر بار بھی سب نذر خدا ہے

مادر سے کہو باپ تو راضی برضا ہے

ہم شاد ہیں کیوں روتے ہو اے اکبر گلنام تم شوق سے سردے کے کرو خلد میں آرام
کردے گا خدا اپنے سفر کا بھی سرانجام میرا تو یہ مطلب ہے کہ امت کا بنے کام
حق تم پہ ہے نینب کا وہ ہاں رو کے تو رو کے
ہم تم کو نہ روکیں گے جو ماں رو کے تو رو کے

بند ۲۰، ۲۳، ۲۴ ص ۳۱۷

مطلع: یوسف کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے



عباس سے بھائی کا جو تھا صدمہ جانکاہ ٹکڑے تھا جگر ٹوٹ گئی تھی کمر شاہ
اس ضعف میں لغزش سے نہ وہ پانوں تھے آگاہ پایا تھا ثبات قدم پاک ید اللہ
سب خاک پہ ٹکڑے تو کلیجے کے پڑے تھے
لاکھوں سے لڑائی تھی پہ بشاش کھڑے تھے

۳۲-ص ۴/۷



تنہائی میں دیکھو تو زرا شان سواری کیا شوکت وصولت ہے زہے قدرت باری
چالاکی تو سن سے نجل باد بہاری رخ نور خدا کا ہے سوے لشکر ناری
گھوڑے کو اڑاتے ہوئے یوں آتے ہیں رن میں
جس طرح کوئی سیر کو جاتا ہے چمن میں

۷-ص ۴/۸۵



حضرت عباس کی سیرت:-

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباس خوشخصال غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علی کا لال اب یاں سے ہم کو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمین کو
دیکھیں ہٹا تو دو نہیں ہٹنے کے یاں سے ہم برپا کریں گے اب تو یہیں خیمہ حرم
گرواں بہت ہے فوج تو ہم بھی نہیں ہیں کم آل نبی بڑھا کے ہٹاتے نہیں قدم
ہم اور خوف جاں سے لڑائی کو چھوڑ دیں
دیکھا نہیں کہ شیر ترائی کو چھوڑ دیں

گو فوج کم امام دلاور کے ساتھ ہے روح رسول نائب حیدر کے ساتھ ہے
عباس سا غلام برادر کے ساتھ ہے لاکھوں تو لے سکیں یہ زمیں سر کے ساتھ ہے

غصے کے وقت جاں کو نہیں جاں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

۲۲، ۲۳، ۲۴ ص ۹۹ ج ۱

مطلع: طے کر چکے حسین جو راہ ثواب کو



مصرف عبادت تھا ید اللہ کا جایا جو خیمے میں سیدانیوں نے شور مچایا
لو پیاس سے پھر بالی سکیںہ کو غش آیا گھبرا کے علمدار کو حضرت نے بلایا
فرمایا کہ سنتے ہو یہ کیا شور ہے بھائی

بن پانی سکیںہ تو لب گور ہے بھائی

عباس نے کی عرض کہ اے قبلہ اکرم چلتی ہیں کلجے پہ مرے برچھیاں پیہم
پانی کا تو یہ قحط ہے گرمی کا یہ عالم بچوں کا تو کیا ذکر جوانوں میں نہیں دم

دن بھر تو کٹا اب بھی جو پانی نہ پیئیں گے

فرمائیے کس طرح سے معصوم جنیں گے

ہم قبلہ کونین کی مرضی سے ہیں نا چار کچھ نہر سے پانی کا تو لانا نہیں دشوار
سن پائیں جو خادم ابھی حکم شہ ابرار معلوم نہ ہووے کہ کدھر تھے یہ ستمگار

تکواروں کو چپکا کے جو لشکر پہ گریں گے

مرجائیں تو مرجائیں پہ خالی نہ پھریں گے

بند- ۲۲، ۲۳، ۲۴ ص ۱۷ ج ۳

مطلع: ہفتم کو ہوا بند جو پانی شہ دیں پر

غل سن کے آئے خیمے میں عباس نامور دیکھا بہن تڑپتی ہے سر ننگے خاک پر
دل غم سے ٹکڑے ہو گیا روئے جھکا کے سر بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر

سمجھیں گے ان سے قاتل مسلم نظر میں ہیں

پیو نہ سر کہ سید والا سفر میں ہیں

بند- ۲۷ صفحہ ۹۶ جلد ۱

مطلع: سبط نبی سے منزل مقصد قریب ہے

سیاف غزا سرد و غا صفر و جرار ساونت الوالعزم جواں مرد وفادار
 ذریت محبوب الہی کا مدد گار لڑنے میں کبھی شہ کی سپر اور کبھی تلوار
 شہرہ ہو نہ کیوں بازوے شاہ شہدا کا
 فرزند زبردست ہے وہ شیر خدا کا

بند ۳ ص ۲۲۱ ج ۱

مطلع: اے تیغ زباں جو ہر تقریر دکھا دے
 تھی شان علی چہرہ انور پہ جری کے کلغی تھی عجب حسن سے مغفر پہ جری کے
 لہراتا تھا دامن علم سر پہ جری کے پھرتا تھا ہما فرق مطہر پہ جری کے
 شانے پہ کماں بر میں زرہ تیغ کمر میں
 دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

بند ۵۵ ص ۲۷۷ ج ۱

مطلع: جب آب رواں بند ہوا فوج خدا پر

یزیدیوں کی سیرت:-

دولاکھ جواں قتل پہ مظلوم کے اک دل خونریزوں کے نیزوں سے نیستاں سر ساحل
 بد عہد و بد ایمان وجفا پیشہ و جاہل دشمن کے طرفدار نبی ذادوں کے قاتل
 قرآن سے واقف نہ خبر ان کو خبر سے
 الفت تھی تو دنیا سے محبت تھی تو زر سے

قلب ایسے کہ فولاد کی سختی ہے جہاں نرم نے درد نہ الطاف نہ اکرام نہ آرم
 خالق سے حیا کچھ نہ محمد سے انہیں شرم سادات کے خیموں کے جلا دینے پہ سرگرم

برہم ہوں جو درہم نہ ہو دستار کے اندر

دنیا جو دیکھیں تو گریں نار کے اندر

کپڑے بھی سیہ دل بھی سیہ رنگ بھی کالے تحت انکلیں باندھے ہوئے آنکھیں نکالے

خنجر تو کمر بند میں تھے ہاتھوں میں بھالے سادات کے سب قافلے کے لوٹنے والے

مانا نہ علی کو نہ رسول عربی کو

دنیا کے لیے ذبح کیا آل نبی کو

خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھراتا کیا لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لاتا کیا
 ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیا ہو نبی یا کہ وصی جنگ میں شرمانا کیا
 ابھی لے جائیں جو شبیر کا سر ہاتھ لگے
 خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

بند ۲۲ ص ۱۳۳ ج ۱

مطلع: بخدا فارس میدان تہور تھا



اسلام کس کو کہتے ہیں ایماں ہے کس کا نام بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
 دشمن کی مدح واہ ہے یہ کونسا کلام ہوتی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام
 گریوں کرو گے رحم ہر اک نورعین پر
 کیونکر چھری پھراؤ گے حلق حسین پر

بند ۷۶ ص ۳۵۱ ج ۱

مطلع: جب بادن کشتی شاہ امم گرا



یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحرور
 چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شر حضرت کہاں ہیں مر گئے عباس نامور
 کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
 وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں
 انشاں ہے سر کے خون کے چھینٹوں سے سب نشاں عباس کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں
 نام آوروں نے آج منایا عجب نشاں کیوں اے حسین کون اٹھائے گا اب نشاں
 لاش ان کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
 جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

بند ۱۳۵، ۱۳۶ ص ۲۸۵ ج ۲

مطلع: جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا

انصار حسین کی سیرت:-

کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
امت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے فیض اپنا مثل ابر کرم عام کر گئے

پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں

ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخل قد پہ وہ سمجھے گل مراد مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد

تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا

پر معرکے سے پانوں کسی کا ہٹا نہ تھا

برسوں رہے گا چرخ میں گو آسمان پیر لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر
گورے نہ ان کے پانوں نہ روئے مہ منیر خورشید جن کے سامنے اک ذرہ حقیر

پر خوں قبائیں جسم میں سینے تنے ہوئے

پہنچے ریاض خلد میں دولہا بنے ہوئے

رستم اٹھا نہ سکتا تھا سر ان کے سامنے شیروں کے کانپتے تھے جگر ان کے سامنے
پھیکی تھی روشنی قمر ان کے سامنے اڑتا تھا رنگ روئے سحر ان کے سامنے

بخشا تھا نور حق نے ہر اک خوش صفات کو

ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اختر سجود دیکھیں جوان کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رخ سے عیاں جلال و جواں مردی و نمود شیدائے آل شیفۃ واجب الوجود

جینے کی شاہ دیں کو دعا دے کے مر گئے

ایماں کے آئے کو جلا دے کے مر گئے

تاثر کر گئی تھی انہیں صحبت امام تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبت حیدر سے دل کے جام ذی قدر ذی شعور دلاور نجستہ کام

لشکر جوان پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے

تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لا جواب تھا خشک وتر پہ جن کا کرم صورت سحاب
وہ نور وہ جلال وہ رونق وہ آب و تاب زہرا کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال ان پہ آگیا

ص ۳۶۱ ج ۱

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے
نکلے حرم سرا سے شہ آسماں شکوہ پر نور ہو گئے رخ روشن سے دشت و کوہ
ہاتھوں پہ سر دھرے تھے جو انان حق پڑوہ تھا کہ بادشاہ عجب تھا عجب گروہ
ایذا تھی عشق شاہ میں چین ان کے واسطے
بہر حسین وہ تھے حسین ان کے واسطے
دیندار سر فروش وفادار اہل درد سرمہ ہے چشم حور کا ان کے قدم کی گرد
لب پیاس سے کبود تو فاقوں سے رنگ زرد دم میں مگر صفوں کو الٹ دیں دم نبرد
رستم نظر ملا نہ سکے ان کی چشم سے
مر جائے ڈر سے شیر کو دیکھیں جو خشم سے
ہر بات میں خضوع و خشوع و فروتنی محتاج پر حسین کی دولت سے دل غنی
قبضے میں جوں کماں ہنر ناوک افگنی جنگ آزما ہزبر و غنا تیغ کے دھنی
گر آسماں گرے تو زمیں پر کھڑے رہیں
ٹل جائے کوہ پر قدم ان کے گڑے رہیں
تھا ولولہ جہاد کا مشتاق جنگ تھے کمریں کسی کھنچے ہوئے گھوڑوں کے تنگ تھے
رانوں میں بیقرار کیت و سرنگ تھے تھے بحر میں نہنگ تو بر میں پلنگ تھے
گھوڑے اڑا کے تیغ سے بجلی کو پے کریں
پانی تو کیا ہے آگ کے دریا کو طے کریں

۸۳-۸۷ ص ۲۲/۴

یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس ایک اک نے زیب جسم کیا فاخرہ لباس
 شانے محاسنوں میں کپے سب نے بے ہراس باندھے عمامے آئے امام زماں کے پاس
 رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
 مشک وزباد و عطر میں کپڑے بے ہوئے
 سوکھے لبوں پہ حمد الہی رخوں پہ نور خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
 فیاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
 کانوں کو حسن صوت سے حظ برملا ملے
 باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے
 ساونت برد بار فلک مرتبت دلیر عالی منش سبا میں سلیمان و غا میں شیر
 گردان دہران کی زبردستیوں سے زیر فاتے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
 دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
 دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے تھے
 تقریر میں وہ رمز و کنایہ کہ لا جواب نکتہ بھی منہ سے کوئی جو نکلا تو انتخاب
 گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب سوکھی زبانیں شہد فصاحت سے کامیاب
 لہجوں پہ شاعران عرب تھے مرے ہوئے
 پستے لبوں کے وہ جو نمک سے بھرے ہوئے
 لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو پیدا تنوں سے پیرہن یوسفی کی بو
 غلاماں کے دل میں ان کی غلامی کی آرزو پرہیز گار و زاہد و ابرار و نیک خو
 پتھر میں ایسے لال صدف میں گہر نہیں
 حوروں کا قول تھا یہ ملک ہیں بشر نہیں
 پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
 باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب ہوتے ہیں خاکسار غلام ابو تراب
 مہتاب سے رُخوں کی صفا اور ہو گئی
 مٹی سے آئینوں میں جلا اور ہو گئی

حاضر در حضور پہ وہ خاصگان رب ایک ایک جن میں فخر عجم زینت عرب
 غربت زدہ گرسنہ و مظلوم و تشنہ لب سن کر سحر کا شور اٹھے بستر وں سے سب
 کہتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں
 پانی نہیں کہ قبلہ عالم وضو کریں
 نکلے حرم سے کر کے تیمم امام پاک سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
 اکبر نے دی ازاں جو بہ آواز درد ناک آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
 آگے سمجھوں کے شاہ حجازی کھڑے ہوئے
 پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے
 آراستہ صفیں تھیں کہ قرآن کھلا ہوا بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھا وہ مقتدا
 اور مقتدی تھے سب عقب شاہ کربلا مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
 جیسا امام ویسی ہی ابرار فوج تھی
 ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی
 سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوشحال جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکل دال
 خم ہو گئے سجود میں مگر صورت ہلال پیشانیوں سے صاف عیاں نور ذالجلال
 حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
 طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی
 وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشم حور
 دیندار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور کمریں کے جہاد پہ راحت دلوں سے دور
 لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئی
 تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئی
 حُبِ حسین دل میں زبانوں پہ ذکر حق نہ فکر کچھ عیال کی نے مرگ کا قلق
 دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیر نہ طبق حقا کہ سب صحیفہ ایمان کے تھے ورق
 کس آفت عظیم میں ثابت قدم رہے
 آقا کا دم بھرا کیے جب تک کہ دم رہے

اللہ نے دل ان کے وفا سے بنائے تھے اور جسم پاک خاک شفا سے بنائے تھے
 سینے خمیر صدق و صفا سے بنائے تھے دست کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
 اور لکھ دیا تھا روز ازل سر نوشت میں
 پہنچیں گے یہ حسین سے پہلے بہشت میں

بند ۱۳-۱۹ ص ۱۳۶-۱۳۷ ج ۱

مطلع: طے کر چکا جو منزل شب کاروان صبح

ثابت قدم تھے راہ خدا میں وہ خوش نہاد آقا پہ ہوں نثار یہی ان کی تھی مراد
 ایک ایک تھانویہ شہادت سے شاد شاد کچھ یاد تھا کسی کو نہ غیر از خدا کی یاد
 کیونکر بہکتے بادۂ عرفاں سے مست تھے
 واللہ حق یہ ہے کہ وہی حق پرست تھے

جب وادی نبرد میں ان کا ہوا ورود پڑھنے لگے ملائکہ آسمان ورود
 ان تھوڑے سے سواروں کی اللہ رے نمود مانند بید خوف سے لرزاں ہوئے حسود
 ہیبت سے خاک کرب و بلا زرد ہو گئی
 شان و شکوہ فوج ستم گرد ہو گئی

باندھے ہوئے سروں پہ عمامے وہ ذی شعور حاضر تھے سرکٹانے کو سب شاہ کے حضور
 پیشانیوں سے ان کے عیاں تھا خدا کا نور شہ کے مدام عشق سے آنکھوں میں تھا سرور
 خوش رو تھے سب نمازی تھے شیریں کلام تھے
 دانا تھے مثل سچے مطیع امام تھے

بند ۳۱-۳۳ ص ۱۷۲ ج ۲

مطلع مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی

حبیب ابن مظاہر کی سیرت:-

قربان تولائے حبیب ابن مظاہر یکساں صفت مہربیں باطن و ظاہر
 عصیان سے بری طیب و پاکیزہ و طاہر جانباز جہاں دیدہ فن جنگ سے ماہر
 سر ہلتا تھا پیری سے قد راست میں خم تھا
 اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دست گونسار
 پر ایک میں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
 جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار
 یہ بڑھ کے انہیں روکتے تھے سینے پہ ہر بار
 بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے شبیر
 جب تیر انہیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے شبیر

بند ۱۵-۱۶ ص ۲۲۶ ج ۲

مطلع: جب حر کو ملا خلعت پر خون شہادت

شمر کی سیرت:-

پھر شمر بے حیا سے یہ بولا وہ نابکار
 رہ قلب فوج میں کہ تو ہے آزمودہ کار
 زخمی کریں یہ سب تن اطہر حسین کا
 چھاتی پہ جڑھ کے کاٹو تو سر حسین کا
 سن کر سخن عمر کا یہ بولا وہ کینہ جو
 اس بات کی تو ہے مجھے مدت سے آرزو
 تو دیکھ لیجو آج کہ نینب کے روبرو
 کاٹوں گا تیغ سے شہ لب تشنہ کا گلو
 رلواؤں گا لحد میں جناب بتول کو
 پیاسا کرونگا ذبح میں سبط رسول کو

بند ۷-۸ ص ۲۱۳ ج ۲

مطلع: جب آفتاب تاج سر آسماں ہوا



ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو
 تیغوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
 بچے بھی میہماں کے مسافر ہیں ظالمو
 آثار مرگ چہروں پہ ظاہر ہیں ظالمو
 گو ہم تمہارے زعم میں تقصیر دار ہیں
 پر ان کا کیا قصور ہے جو شیر خوار ہیں
 یہ دھوپ یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن
 مرجھا گیا ہے احمد مختار کا چمن

مانند غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن پانی بغیر اب نہ جنیں گے وہ گلبدن
 گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
 نیلے ہیں ہونٹ پھول سے رخسار زرد ہیں
 چلایا شمر تب کہ عبث ہے سوال آب دیں گے زبان تیغ سے ہم آپ کو جواب
 بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب پھر کس لیے ہے بیعت حاکم سے اجتناب
 خیمے سے گھٹنیوں اگر اصغر بھی آئے گا
 جز آب تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا

بند ۲۶-۲۷-۲۸ ص ۲۹۲ ج ۲

مطلع: جاتا ہے شیر بیشہ حیدر فرات پر

فرزندوں کو گر آپ کے ہے تشنہ دہانی لے آئے ان کو وہ پییں شوق سے پانی
 شبیر کی منظور نہیں پیاس بجھانی حلق ان کا ہے اور خنجر براں کی روانی
 احمد سے نہ حیدر سے نہ زہرا سے ڈریں گے
 پیاسا پسر فاطمہ کو ذبح کریں گے

بند ۲۸ صفحہ ۳۱۸ جلد ۲

مطلع: عباس علی قبلہ ارباب وفا ہے

بڑھ کر پکارا شمر ستمگار و بد خصال اے ابن فاطمہ خلف شیر ذوالجلال
 جلد آ کے دیکھئے پسر نوجواں کا حال لاشہ سموں سے گھوڑوں کے ہوئے گا پائمال
 جو حملہ ور تھا تیغ دو دم تول تول کے
 دم توڑتا ہے اب وہی منہ کھول کھول کے

بند ۱۹۰ ص ۳۲۸ ج ۲

مطلع: جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا

ہاں غازیو قریب ہے اب تیسرا پہر جانیں لڑاکے جلد کرو اس مہم کو سر
 بجتا ہے کوئی آن میں نقارۂ ظفر عابد کے ہاتھ باندھ کے اب کھولیو کمر
 راحت دلوں کو ہوئے گی قتل حسین سے
 سیدانیوں کو لوٹ کے سوئیں گے چین سے

بند ۳۲ ص ۱۵۸ ج ۴

حضرت زینب کی سیرت:-

لکھا ہے یاں لجام فرس پر تھا دست شاہ فریاد و احسین سے ہلتی تھی قتل گاہ
 خیمہ سے نکلی اک زن بالا بلند آہ رخ پر نقاب پاؤں میں موزے عبا سیاہ
 حسن بتول و شان علی کا ظہور تھا
 گویا لباس کعبہ میں خالق کا نور تھا

بند ۳۸ ص ۱۲۶ ج ۳

مطلع: جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا

اہل حرم کی سیرت:-

ہیں میرے ساتھ چند جو سیدانیاں غریب بیکس عزیز مردہ جفاکش بلا نصیب
 ان سب کو دوست رکھتا ہے اللہ کا حبیب رشتے میں ہیں رسول خدا سے بہت قریب
 تھی غیر فقر کون سی دولت علی کے پاس
 زر کیا ردا تلک نہیں ثابت کسی کے پاس

تقویٰ ہے زیور ان کا تو شرم و حیا لباس ہاں ایک نقد عصمت و عفت ہے سب کے پاس
 ہیں سالک طریق بتول فلک اساس اک اک خدا پرست ہے ایک ایک حق شناس
 سب مرتضیٰ علی کے چلن ان کو یاد ہیں
 ایذا میں شکر کرتی ہیں فاقوں میں شاد ہیں

ہر دم ہیں محو بندگی رب بے نیاز بجدے میں حق سے کہتی ہیں اپنے دلوں کے راز
 روتی ہیں جب تو ہوتا ہے پتھر کا دل گداز دامن وہ پاک ہیں کہ فرشتے پڑھیں نماز

کچھ قدر مال و زر نہیں ان کی نگاہ میں
بیٹوں کو صدقے کر دیا خالق کی راہ میں

بند ۸۷-۸۸-۸۹ ص ۱۸۱ ج ۳

مطلع: یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو

حضرت علی اکبر کی سیرت:-

اکبر نے کی غضب کی نظر سوے فوج شام کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلہ انام سنتے ہیں آپ لشکر اعدا کے یہ کلام
خون تن میں جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلہ صبر تنگ ہے

بند ۱۷ ص ۳۶۲ ج ۱

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

سیرت نگاری:-

ناگاہ ہوا شور مبارز طلبی کا پھر قصد لعینوں نے کیا بے ادبی کا
منہ سرخ ہوا غیظ سے ہمشکل نبی کا رایت بھی بڑھا فوج رسول عربی کا
حیدر کے نواسوں کے بھی ابرو پہ بل آیا
چھوٹا تو یہ بگڑا کہ پرے سے نکل آیا

بند ۲۶ ص ۲۲۷ ج ۲

مطلع: جب حر کو ملا خلعت پر خون شہادت

کہتے تھے شب گو بھر کے دم سرد دمبدم تم ہم کو چاہتی ہو تمہیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو نثار شہ امم گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

بند ۱۳۹ ص ۳۰۲ ج ۲

مطلع: جاتا ہے شیر پیشہ حیدر فرات پر

حضرت عباس امام حسین کی کس درجہ اطاعت کرتے تھے لیکن غصے کی انتہا کے وقت آپ امام کی رائے کے خلاف اعدا کو سزا دینے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ یہ ایسا موقع تھا کہ اگر یہاں بھی انیس حد درجے کی اطاعت دکھاتے تو کلام مطابق فطرت نہ رہتا۔ ایسے موقع پر ایسی گفتگو نہ گستاخی سمجھی جاتی ہے نہ سوئے ادب، بلکہ اس سے صرف غصے کی شدت اور شجاعت کا جوش ظاہر ہوتا ہے:

گھبرا کے ادھر سے شہ والا یہ پکارے ہاں ہاں مرے صفر مرے عاشق مرے پیارے
تکوار نہ کھینچو ابھی صدقے مرے پیارے راضی ہوں میں اتریں وہی دریا کے کنارے
کچھ غم نہیں جلتی ہوئی ریتی پہ رہیں گے
راحت انہیں ہوئے ہمیں تکلیف سہیں گے

آئے جو یہ فرماتے ہوئے شاہ خوش اقبال دیکھا کہ ہے غصے میں بہادر کا عجب حال
رعشہ تن پر نور میں خورشید کی تمثال ابرو پہ شکن تیغ بکف غیظ سے رخ لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ گیسو تو پڑے ہیں
بھرے ہوئے جوں شیر ترائی میں کھڑے ہیں

غصے میں کچھ آنکھوں سے نہ دیتا تھا دکھائی حضرت سے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
کہتے ہیں مرے سامنے لے لیں گے ترائی اس وقت مناسب ہے انہیں چشم نمائی
میں اب انہیں بے جان سے مارے نہ پھروں گا
بے تیغ کے گھاٹ ان کو اتارے نہ پھروں گا

بند ۲۲-۲۵ ص ۴-۵ ج ۳

مطلع: جب منزل مقصد پہ امام زمن آئے

حضرت عباس کو انیس نے انتہا درجہ کا شجاع اور ماہر فن جنگ دکھایا ہے لیکن ایک مقام پر انہیں کے بارے میں لکھتے ہیں ع۔ ”جی سن سے ہو گیا کہیں کڑ کی اگر کماں“ حضرت عباس کو اپنی جان کا خوف تو نہ تھا لیکن مشک کے چھد جانے کا خیال دل میں تیر کا خوف پیدا کر دیتا تھا۔ ایسے موقعے بھی ہوتے ہیں کہ جہاں بہادر سے بہادر آدمی کو ڈرنا پڑتا ہے۔ اگر وہاں بھی خوف کی جگہ اس کی شجاعت کا بیان کیا جائے تو وہ بیان فطرت اور عقل کے خلاف ہوگا۔

انیس کے اشخاص مرثیہ کی سیرت عربی اور ہندی عناصر سے مرکب ہے۔ پابندی رسوم، رقت قلب اور ذکاوت حس کے اعتبار سے وہ پورے ہندوستانی ہیں مگر شجاعت، حمیت، ایثار وغیرہ کے اعتبار سے وہ بہترین عربی اشخاص ہیں۔ انیس ہندوستانی اور عربی خصوصیات طبعی و نفسی سے وہ اجزا منتخب کر کے ان کی سیرتوں میں جمع کر دیتے ہیں جو ہمدردی اور تعظیم کے جذبات کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ ان میں ہندوستانیت زیادہ نمایاں ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان کے مخاطب ہندوستانی ہیں جو خالص عربی سیرتوں کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ ان کو اپنے لیے نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔



۶۔ غم کی عکاسی

غم سے متاثر ہونا تو انسانی فطرت ہے اور دل کا رقیق اور اثر پذیر ہونا انسانیت کا کمال ہے اور انسانی اخلاق کی معراج۔ مگر غم میں صبر کرنا بھی ایک بڑی فضیلت ہے۔ لیکن صبر اسی وقت تک فضیلت ہے جب تک قلب نرم اور اثر پذیر ہے۔ اگر قلب میں یہ کیفیت ہی نہ ہو تو پھر صبر اور سنگدلی میں ما بہ الامتیاز کیا ہے۔

غم بذات خود مذموم نہیں البتہ اس کا حد مناسب سے تجاوز کر جانا مذموم ہے۔ اور یہ بات غم پر کیا منحصر ہے، تمام اخلاق حسنہ جن کے فضائل ہونے میں کسی کو کلام نہیں ان کی بھی ایک حد ہوتی ہے جس سے آگے بڑھنا ان کو فضیلت کے درجے سے گرا کر رذائل کی پستی میں پہنچا دیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غم کی وہ حد مناسب کیا ہے۔

رونا رلانا مال مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی سمجھا جاتا تھا۔ خود میر انیس بھی اس خیال میں شریک تھے اور میر انیس کی انتہائی شہرت، انتہائی عزت، وافر آمدنی، سب کچھ مرثیہ گوئی ہی پر منحصر تھا ایسی صورت میں وہ پسند عام سے جس قدر گریز کر سکے وہ بھی خیرت خیز ہے لیکن یہ تو کسی طرح ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے ماحول سے بالکل متاثر ہی نہ ہو۔

اگر انیس کے مرثیے میں لوگوں کو رلانے کی صلاحیت نہ ہوتی تو باوجود ان تمام خوبیوں کے جو ان کے کلام میں ہیں اور باوجود ان تمام خوبیوں کے جو شاعری میں ممکن ہیں ان کی کوئی مطلق قدر نہ کرتا، ایسی حالت میں اگر انیس نے رقت انگیزی کے خیال سے واقعات کربلا کے دردناک پہلو کو بہت ابھارا ہے اور اسی ضمن میں کہیں کہیں امام حسین اور اہلبیت اطہار پر غم کی وہ شدت دکھائی ہے جو ان کے اخلاق کے لیے شایاں نہیں ہے تو نہ یہ

کوئی تعجب کی بات ہے اور نہ اس سے ان کے کمال میں کوئی فرق آتا ہے۔ ماحول سے متاثر ہونے پر انسان مجبور ہے اور مجبوری کے افعال میں معذور ہے۔

اہلبیت کی طرف سے غم کے اظہار میں شدت اسی وقت تک نمایاں معلوم ہوتی ہے جب تک مرثیے کے کسی خاص حصے کی طرف اور حصوں سے قطع نظر کر کے خاص طور پر نظر کی جائے۔ لیکن اگر پورے مرثیے کا بلکہ ایک ہی حال کے کئی مرثیوں کا مجموعی اثر جو دل پر پڑتا ہے وہ دیکھا جائے تو اہلبیت کی سیرت فضائل انسانی کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے اور اظہار غم کی شدت ان فضائل کے ہجوم میں کھو کر رہ جاتی ہے بلکہ ان کا صابر ہونا ان کے غم سے متاثر ہونے سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

میر انیس نے اس بات کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھا ہے کہ غم کے اظہار میں شدت صرف اسی وقت تک دکھائی ہے جب کسی انتہائی غمناک واقعے کی ناگہانی خبر نے آپ سے باہر کر دیا ہے ورنہ ادھر طبیعت پر قابو ہوا ادھر وہی صبر کی شان دکھائی دینے لگی جو اخلاق اہلبیت کا ایک نمایاں عنصر تھی۔

اس کے علاوہ ہمیشہ امام کی زبانی صبر کی تلقین کروا کے بھی شاعر نے صبر کی فضیلت، مغلوب الالم ہونے کی حقارت ظاہر کی ہے۔ اگر کسی ایک مرثیے میں انیس نے مثلاً بیٹوں کے غم میں حضرت زینب کا انتہائی اضطراب دکھایا ہے تو کسی دوسرے مرثیے میں اسی حادثہ عظیم پر انتہائی صبر بھی دکھایا ہے یا مثلاً اگر کسی مرثیے میں حضرت علی اکبر کی رخصت کے وقت حضرت شہر بانو کا انتہائی غم دکھایا ہے تو دوسرے مرثیے میں اسی موقع پر ان کا حد کا صبر بھی دکھایا ہے۔ انیس نے چند شریف الخصال لوگوں کی سیرت کے مختلف پہلو مختلف مرثیوں میں دکھائے ہیں۔ اس کی ضرورت اسی لیے پڑی کہ ان کو ایک ہی حال متعدد مرتبہ بیان کرنا پڑا ہے بغیر اس تدبیر کے بیان میں تنوع اور دلچسپی ممکن نہ تھی اور یہی بات انیس کے کمال کا ثبوت ہے۔

اگر کوئی شخص ہمیشہ حلم کا انتہائی خیال رکھتا ہو اور اسے کسی ایک یا دو موقعوں پر کسی نہایت خاص بات پر حد کا غصہ بھی آجائے تو بھی ہم اس کو حلیم ہی کہیں گے، اسی طرح اگر ایک نہایت صابر شخص پر کسی خاص حادثے سے غم کا شدید اثر طاری ہو اور وہ ایک فوری اثر ہو جس کے دور ہوتے ہی اس کا صبر پھر نمایاں ہو جائے تو وہ صابر ہی رہے گا۔

پھر صبر کی انتہا دکھانے کے بعد بھی اثر پذیری اور رقت قلب کا دکھانا ضروری ہے تاکہ اس کے مقابلے میں صبر کا جوہر اور بھی نمایاں ہو جائے۔ شیکسپیر نے اسی نکتے پر نظر رکھ کر لیڈی میکبیتھ کی زبان سے یہ کہلوایا ہے کہ میں ڈنکن کو خود قتل کر ڈالتی اگر وہ میرے دادا سے مشابہ نہ ہوتا۔
امام حسین اور حضرت بانو کا صبر ذیل کے مرثیوں میں دیکھو:-

جب غازیان فوج خدا نام کر گئے نمک خوان تکلم ہے فصاحت مری
حسین کا کیا ذکر، انصار حسین کا صبر بھی دنیا میں نظیر نہیں رکھتا۔ انیس نے ان کے صبر کا حال بھی
خوب لکھا ہے۔

شا کر رہو ہزار ستم ہوں ہزار جبر تڑپو نہ مثل برق نہ روؤ مثال ابر

جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں اف کیجیو نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں

لٹنے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے رونا بشر کو خوف الہی میں چاہیے

جذبہ غم و محبت احساس فرائض پر غالب نہیں آجاتا ہے۔ والدین اولاد کی رخصت پر روتے
ہیں مگر رخصت کر دیتے ہیں۔

ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہر دم خدا سے خیر کا میں ہوں امیدوار ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل بے گاہ بدن تھر تھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اس کو آئے گا

بند۔ ۳۴ ص ۳۶۴ ج ۱

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

نکلا حرم سرا سے جو وہ نور حق کا نور خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمے کی دیوڑھی پہ کچھ جو دور دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور

رخصت ہوں اب جو حکم شہ نامدار ہو
روکر کہا حسین نے اچھا سوار ہو

بند ۸۴ ص ۳۷۰ ج ۱

مطلع: مذکور الصدر



دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابی پسر وارث کی بیکیسی پہ لگا کاپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر دولت پہ فاطمہ کی تصدق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے تمہیں کب روکتی ہوں میں

زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار عابد نثار اصغر تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھ سر نثار قربان گھر کنیز تصدق پسر نثار
کسرائی گو کہ ہوں پہ بہو میں علی کی ہوں
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں

بند ۴۶-۴۷ ص ۳۶۶ ج ۱

مطلع: مذکور الصدر



صبح عاشور امام حسین علیہ السلام حضرت سکینہ سے اپنی موت کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:-
کچھ دور نہ تھے ہم پہ تمہیں نیند نہ آئی کیا ہوئے گا جب ہوگی مہینوں کی جدائی
مگر حضرت سکینہ کا بچپن اس اشارے کو نہ سمجھ سکا۔ وہ اس کے جواب میں کہتی ہیں:-

.....
پھر کل کی طرح نیند مری کھوؤ گے بابا
.....
کیا آج کی شب کو بھی نہ رہے گا مرے پاس
.....
میں بھی وہیں سوؤں گی جہاں سوؤ گے بابا

.....
کیا قصد ہے جانا ہے کدھر یا شہ ابرار

.....
صدقے گئی ناقوں پہ حرم ساتھ نہ ہوں گے
.....
کیا یہ سفر ایسا ہے کہ ہم ساتھ نہ ہوں گے

۷۔ اخلاقی بلندی

انیس کے کل کلام میں بلند نگاہی، بلند خیالی اور بلند اخلاقی کی ایک لہر دوڑی ہوئی ہے۔ اور جن اخلاق فاضلہ کی تعلیم انیس کے مرثیوں سے ہوتی ہے وہ کسی اخلاق و نصائح کی کتاب، کسی وعظ و پند کے ذریعے سے ممکن نہیں۔ نفس انسانی کی انتہائی شرافت اور انتہائی رذالت کے نقشے جس موثر پیرائے میں کھینچے ہیں ان کا جواب ممکن نہیں۔ حسین اور رفیقان حسین کی سیرتوں میں اخلاق حسنہ کی انتہا اس حسن سے دکھائی اور ان کے اعمال و افعال کے ذریعے سے دکھائی کہ وہ اخلاق کے محض خیالی معیار ہو کر نہیں رہ گئے بلکہ قابل عمل نمونے بن گئے۔ بلند اخلاقی کی انتہا کے ساتھ ساتھ ان میں وہ انسانی کمزوریاں بھی دکھائی ہیں جو بد اخلاقی کی حد سے بہت دور ہیں اور ان حضرات کو ہم سے قریب تر کر کے ہماری محبت اور ہمدردی کو ان کی طرف مائل کر دیتی ہیں۔

بالعموم میرا نیس اخلاق حسنہ کی تعلیم پند و موعظت سے نہیں بلکہ بلند اخلاقی کے بہترین نمونے پیش کر کے دیتے ہیں، اور اس طرح کی بالواسطہ اخلاقی تعلیم سے ان کے مرثیے کا کوئی مقام خالی نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی وہ براہ راست پند و موعظت کے ذریعہ سے بھی اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں مثلاً:

اے مومنو مصروف رہو یاد خدا میں جینے کا بھروسہ نہیں اس دار فنا میں
اوقات کرو صرف عزائے شہدا میں سرگرم رہو نالہ و فریاد و بکا میں
غافل نہ ہو مل جائے جو وقفہ کوئی دم کا
دنیا سے ہے نزدیک سفر ملک عدم کا

اس منزل فانی میں دل اپنا نہ لگاؤ الفت نہ کرو اس سے جسے چھوڑ کے جاؤ
یہ عاریتی جا ہے یہاں گھر نہ بناؤ پابندی دنیا سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
چلتے ہوئے ہرگز کوئی کام آنہ سکے گا
ہمراہ کچھ اسباب جہاں جا نہ سکے گا

یاں رخت اقامت کا سرانجام ہے بے جا اس منزل پر خوف میں آرام ہے بے جا
عقبی کے سوا یاں کا ہر اک کام ہے بے جا مانند نگیں آرزوئے نام ہے بے جا
سینے میں یہ دم مثل چراغ سحری ہے
کرلو عمل خیر یہی ناموری ہے

امید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام
یاں کام کرو ایسا کہ آئے جو وہاں کام آپہنچے خدا جانے کب موت کا پیغام
اپنی نہ کوئی ملک نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

دنیا میں سدا ایک سا رہتا نہیں احوال ادبار ہے انساں کا کبھی اور کبھی اقبال
اندوختہ کرتے جسے لگتا ہے مہ و سال آجاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زرو مال
خالی رہیں گے بعد فنا ہاتھ تمہارے
کچھ جمع ہو ایسی کہ چلے ساتھ تمہارے

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند عرصہ نہیں کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
وہ کام کرو جس سے خدا ہووے رضا مند ہشیار کہ ہونا ہے تمہیں خاک کا پیوند
پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہہ شاہ و گدا کنج لحد ہے

ہیں زیر زمین صاحب تخت و علم و تاج جو صاحب نوبت تھے نشاں ان کے نہیں آج
جو شاہ کہ شاہوں سے سدا لیتے رہے باج وہ بعد فنا آپ کفن کے رہے محتاج
درویش و غنی اس کے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سے بھی وفا کی

کیا سخت گھڑی ہوگی اجل آئے گی جس دم کھنچ کھنچ کے ہر اک رگ سے نکلنے لگے گا دم
 کیا دیکھیں گے ایک ایک کو حسرت سے بھد غم اتنی بھی زباں ہل نہ سکے گی کہ چلے ہم
 سب کے لیے اک روز یہ تکلیف دھری ہے
 اس پر بھی یہ غفلت ہے عجب بے خبری ہے
 بھائی نہیں اپنے ہیں نہیں ہے پسر اپنا بیگانے ہیں سب ہوئے گا جس دم سفر اپنا
 نے مال نہ اسباب نہ زیور نہ زر اپنا دو گز کفن اور قبر کا گوشہ ہے گھر اپنا
 کچھ ساتھ بجز بیکسی ویاس نہ ہوگا
 رہ جائیں گے سب دور کوئی پاس نہ ہوگا
 اس زیست پہ بھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد گھر سیکڑوں یاں سیل فنا نے کیے برباد
 دنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد اس قالب خاکی کی عجب ست ہے بنیاد
 کل اوج پہ جو لوگ تھے وہ زیر زمیں ہیں
 ہے خاک کا ڈھیر اب نہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں
 کس کس گل رنگیں کی نہ اس باغ میں تھی دھوم اک آن میں شبنم کی طرح ہو گئے معدوم
 دکھلا رہی ہے رنگ عجب ہستی موہوم کیا قصد ہے کلچین اجل کا نہیں معلوم
 اس باغ میں جس سرو کو دیکھا وہ رواں ہے
 جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے

بند ۱۔ ۱۱ ص ۳۹۱-۳۹۲ ج ۱

مطلع: اے مومنو مضروف رہو یاد خدا میں

مرثیے کے اخلاقی پہلو کے متعلق خواجہ حالی کی رائے۔



باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب غیرت کا جوش آگیا قاسم کی ماں کو تب
 مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب ہمیشکل مصطفیٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
 اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
 میں فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال قاسم کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
روکر کہا کہ اے حسن مجتبیٰ کے لال کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال

جاری ہیں اشک خوں مری چشم پر آب سے

نہیب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسین کے قدموں پہ سر کٹائے کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے

گھیرا ہے بیوطن کو عدو کی سپاہ نے

منہ دیکھنے کو کیا تمہیں پالا ہے شاہ نے

سب مرچکے امام دو عالم کے اقربا باقی ہے کون اکبر و عباس کے سوا

حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں ملے لقا سران کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا

تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے

شرمائیں گے حسن بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد

جلدی دولہن سے مل کے سدھا روپے جہاد قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد

بیابا تمہیں برآئی ہر اک آرزو مری

اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گلزار ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقت کا رزار

جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار

رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم

روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

بند ۲۳-۸۴ ص ۲۵۵-۲۵۶ ج

مطلع: پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح

سرماموں کے قدموں پہ جھکانے میں شرف ہے نعلین کو آنکھوں سے لگانے میں شرف ہے

رومال کھڑے ہو کے ہلانے میں شرف ہے خادم کی طرح ہاتھ دھلانے میں شرف ہے

تسلیم کو جھکنا ہے عبادت کے برابر
آقا کی اطاعت بھی ہے طاعت کے برابر

(کیا پیش خدا.....)

اسی اخلاقی بلندی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ انیس کے کلام میں ایک خاص وقار، تمکین اور بھاری بھر کم پن ہر جگہ نظر آتا ہے۔ ان کے بیانات میں یا اشخاص مرثیہ کے افعال و اقوال میں کہیں چھچھورا پن اور ابتذال نہیں پایا جاتا۔



۸۔ ترتیب و ربط و تسلسل

انیس کے کلام میں ترتیب کا حسن اور تسلسل کی خوبی اس قدر نمایاں ہے کہ ہر شخص ان کا کوئی مرثیہ پڑھ کر محسوس کر سکتا ہے اور اگر ان کے متعدد مرثیے پڑھنے کے بعد کسی اور کا کلام پڑھا جائے تو یہ صفت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

انیس کے کلام کی ایک خاص اور عجیب خوبی یہ ہے کہ ان کی ایک بات سن کر اس کے بعد آنے والی بات کے لیے ذہن خود تیار ہو جاتا ہے اور اس کو کسی خلاف توقع بات سے اچانک سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ یہ نہیں ہوتا کہ کوئی بات ناگہانی طور پر سامنے آ کر ذہن کو متوحش کر دے، جذبات میں دھکا لگے اور ذوق لطیف منغض ہو جائے، مثلاً:

صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب یاد آگیا مجھے اسد اللہ کا عتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب جعفر ہو دبدبے میں شجاعت میں بو تراب
یہ کیا ہیں تم تو سد سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

بند ۸۱ ص ۱۴۹ ج ۲

مطلع: جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا

بھیا پدر کے صبر پہ اسدم کرو خیال ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا سب ان کا حال
بلوہ تھا بعدِ رحلتِ محبوبِ کردگار یاں تک کہ باندھ لے گئے رسی میں بد خصال

کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا
گردن جھکی ہوئی تھی گلا ریسماں میں تھا

بند ۲۔ ص ۱۵۰ ج ۲

مطلع: مذکور الصدر

اس خوبی کی بنا پر انیس کا کلام پڑھنے میں دماغ کو راحت اور دل کو لذت ملتی ہے۔
انیس جب ایک مقام ختم کر کے دوسرا مقام شروع کرتے ہیں تو ان دونوں کو اس حسن
سے ملاتے ہیں کہ جوڑ معلوم نہیں ہوتا اور پڑھنے والے کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ کہاں ایک
مقام ختم ہو گیا اور دوسرا شروع ہو گیا۔ یہ کمال ان موقعوں پر اور بھی صاف نظر آتا ہے جہاں
انیس اختصار کی نظر سے درمیان کے بہت سے واقعات حذف کر کے ایک واقعے کو دوسرے
ایسے واقعے سے جوڑ دیتے ہیں جو پہلے واقعے کے ایک مدت بعد پیش آیا تھا۔

روتے ہیں آپ کس لیے یا سید امم راضی ہیں ہم پہ راہ خدا میں ہوں جو ستم
تلواریں بھی چلیں تو نہیں مارنے کے دم امت پہ اپنے سر کو تصدق کریں گے ہم
ہم راستگو ہیں بات پہ جس وقت آتے ہیں
کہتے ہیں جو زباں سے وہی کر دکھاتے ہیں

بچپن میں جو زباں سے کہا تھا کیا وہ کام جس وقت رن میں ٹوٹ پڑی شہ پہ فوج شام
گردن جھکائے برچھیاں کھایا کیے امام خوں میں قبا رسول کی تر ہو گئی تمام
تیغیں علی کے لال کے شانے پہ چل گئیں
چھاتی کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں

بند ۶۸۔ ۶۹ ص ۴۱۲ ج ۱

مطلع: دشت و غا میں نور خدا کا ظہور ہے

مذکورہ بالا بند میں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف کس حسن سے منتقل ہوئے ہیں اور
درمیان میں کتنا بڑا میدان چھوڑ دیا ہے۔

ایک خیال عام طور پر یہ پھیلا ہوا ہے کہ چوتھے مصرعے سے بیت کو ربط دیتے ہیں یعنی
جو بات چوتھے مصرعے میں کہتے ہیں اسی کو بیت میں پھیلا کے یا زیادہ وضاحت سے بیان

کر دیتے ہیں یعنی عام محاورے کے مطابق بیت میں چوتھے مصرعے کا ثبوت دیتے ہیں مثلاً:-

لڑتا میں تو تھا کون مرا روکنے والا اک حملے میں تھا دفتر عالم تہ و بالا
ہوتا ابھی نازل غضب اس لشکر کیوں پر ہوتی یہ زمیں چرخ پہ اور چرخ زمیں پر

بند ۲۵ ص ۳۷۰ ج ۲

مطلع: کیا بحر ہے وہ بحر کنار نہیں جس کا

یہاں چوتھے مصرعے میں دفتر عالم کے تہ و بالا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور چھٹے مصرعے میں زمین کو آسمان پر پہنچا کر اور آسمان کو زمین پر لا کر عالم کا تہ و بالا ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ بعض لوگ اس کو بڑی صفت سمجھتے ہیں اور اپنے مرثیوں میں اس کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں بالعموم مضمون ہر بند کے چوتھے مصرعے پر ختم ہو جاتا ہے اور چھٹا مصرع بالعموم چوتھے مصرعے کی شرح ہوتا ہے اور پانچواں مصرع برائے بیت محض خلا کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ انیس کے یہاں بھی ایسی مثالیں کہیں کہیں ملتی ہیں لیکن انیس کا یہ عام انداز ہرگز نہیں ہے۔ ان کے یہاں جس طرح ہر مصرعے کو بعد والے مصرع سے ربط ہوتا ہے اسی طرح چوتھے مصرعے کو بیت سے ربط ہوتا ہے اور مضمون برابر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے چوتھے مصرعے پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتا۔ انیس کی تخیل ہمیشہ ایک سمت کو خط مستقیم پر چلتی ہے داہنے بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے نہیں چلتی۔

انیس جس طرح خیالات میں دور و تسلسل کا لحاظ رکھتے ہیں اسی طرح الفاظ میں بھی۔

حور و ملک و خلد و آرم کوثر و طوبے سنگ و شجر و کوہ و بر و گوہر و دریا
خورشید و نجوم و قمر و گنبد خضرا روم و رے و مصر و نجف و یثرب و بطحا

پوچھے جو کوئی کون امام ازلی ہے

سب دیں یہ گواہی کہ حسین ابن علی ہے

بند ۹۵ ص ۲۳۱ ج ۱

مطلع: اے تیغ زباں جو ہر تقریر دکھا دے

صرصر سے تند بو سے سبک رو ہوا سے تیز چالاک فہم و فکر سے ذہن رسا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز جانے میں اڑ کے ہمد شہر سبا سے تیز

ذیجاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا
رہوار کیا ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا

بند ۹۶ ص ۳۵۳ ج ۱

مطلع: جب بادبان کشتی شاہ امم گرا

سر ہنر سب پہ تھا شجر گلشن رسول تھے زرد مثل برگ خزاں دیدہ سب جہول
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول برچھی سے پھل کمان سے شاخیں سپر سے پھول
زہرا کا باغ اجاڑ کے راحت سے سوئے تھے
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے جو بوئے تھے

بند ۹۲ ص ۳۵۳ ج ۱

مطلع: مذکور الصدر

ہر مصرع میں ایک طرح کی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

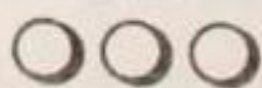
انیس جب ایک بات سے دوسری بات کی طرف انتقال کرتے ہیں تو ایسا صاف جوڑ
بٹھاتے ہیں اور ایسا پیوند ملاتے ہیں کہ ذرا ناہمواری پیدا نہیں ہونے پاتی۔ بات میں بات نکلتی
چلی آتی ہے۔ دوسروں کے یہاں ایسے موقعوں پر موٹی موٹی گرہیں پڑ جاتی ہیں، جوڑ صاف
صاف دکھائی دیتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک بات سے دوسری بات کو یوں ربط دیتے ہیں کہ
دونوں کے درمیان بہت بڑا میدان چھوٹ جاتا ہے پھر بھی جوڑ معلوم نہیں ہوتا۔

میر انیس کے اکثر مرثیے ایسے متعدد واقعات پر مشتمل ہیں کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ
مرثیہ کا موضوع ہو سکتا ہے لیکن ان کے بیان میں اتنا تسلسل ہے کہ مختلف واقعات ایک ہی
زنجیر کی کڑیاں معلوم ہونے لگتے ہیں۔

شبلی نے موازنہ انیس و دبیر میں انیس کے اس کمال کی طرف اشارہ کیا ہے اور تسلیم کیا
ہے کہ ”تسلسل بیان کا اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہیں جس کی
تمام کڑیاں آپس میں ملی ہوئی نظر آتی ہیں۔“ اور اس بیان کی تائید میں اس مرثیے کے مختلف
حصے پیش کیے ہیں جس کا مطلع ہے

ع: بخدا فارس میدان تہور تھا

موازنہ انیس و دبیر ص ۱۵۱



۹۔ فصاحت

سلاست، روانی، شگفتگی اور فصاحت کے تمام لوازم انیس کے کلام میں اس قدر نمایاں ہیں کہ ان کو بیان کرنے اور ان کی طرف متوجہ کرنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ جو صحیح المذاق انیس کا ایک مرثیہ بھی پڑھ لے گا وہ کلام انیس کے اس وصف کو خود اس طرح سمجھ لے گا جس طرح کسی دوسرے کے سمجھانے سے نہیں سمجھ سکتا۔ اور انیس کے کلام کی یہی خوبی اس درجہ نمایاں ہے کہ انیس کا کوئی مخالف بھی اس سے اب تک انکار نہیں کر سکا۔

انیس مشکل سے مشکل خیال اور نازک سے نازک بات کو نہایت آسان اور مانوس لفظوں میں اس طرح ادا کر دیتے ہیں کہ ظاہر میں نگاہیں مضمون کی دقت کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ انیس کے کلام کی خوبی صرف اس کی فصاحت ہے۔ مشکل مضامین کو اپنے بیان سے یوں آسان کر دینا، اسی کا نام سہل ممتنع ہے۔

دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے اس گھاٹ پر جو آئے سران کے اتر گئے
رستہ تھا ایک ادھر وہ گئے یا ادھر گئے ہر پھر کے ہر طرف سے میان ستر گئے

ناران کے اشتیاق میں آب ان کی لاگ میں

پھینکا ہوا نے پانی میں پانی نے آگ میں

بند ۱۲۹ ص ۳۷۵ ج ۱

متراذفات میں کسی محل خاص پر ایک لفظ کو اس کے بالکل ہم معنی دوسرے لفظ پر سمجھ کر ترجیح دینا فصاحت کلام کی ایک خاص اور مشکل شرط ہے۔ مثلاً یہ خیال رکھنا کہ کسی خاص موقع پر 'شب' اور 'رات' میں سے کس کو اختیار اور کس کو ترک کریں۔ یہ خیال لظم میں ہمیشہ

نبھ نہیں سکتا۔ لیکن انیس کے یہاں یہ جس حد تک موجود ہے اتنا شاید ہی کسی اور کے یہاں ہو۔

انیس نے اردو شعرا میں سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے مگر ان کے تمام کلام میں غیر فصیح الفاظ بہت ہی کم ہیں۔ وہ جہاں کہیں ضرورتاً عربی اور فارسی کے الفاظ لاتے ہیں فارسی ترکیبوں سے ان کی غرابت کم کر دیتے ہیں دیکھو ”نظام اردو“ بحث الفاظ غیر معتدل۔ انیس سادے اور کثیر الاستعمال لفظ استعمال کرتے ہیں مگر مبتذل اور سوقیانہ الفاظ سے پرہیز کرتے ہیں۔

میر انیس کے بہت مصرعے ضرب المثل ہو گئے ہیں اور بہت سے ضرب المثل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ بات کسی کے کلام کو اس دقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک اس میں اعلیٰ درجے کی فصاحت موجود نہ ہو۔ گویا ایسے مصرعوں میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ ادھر کان میں پڑے ادھر دل میں اتر گئے۔ مثال کے طور پر ایسے چند مصرعے ذیل میں لکھے جاتے ہیں:-

ع: وعدہ آسان ہے وعدے کی وفا مشکل ہے	ع: پیرو جواں کا ساتھ ہے تیردکماں کا ساتھ
ع: غیروں میں اب الفت ہے یگانوں میں نہیں ہے	ع: قدرت خدا کی پیر جیے نو جواں مرے
ع: پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے	ع: آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے
ع: دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی	ع: سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
ع: سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا	ع: دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
ع: وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے	ع: دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ
ع: اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے	ع: نخل غرور پھولتا پھلتا نہیں کبھی
ع: زندہ ہے وہی راہ محبت میں جو مر جائے	ع: گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے
ع: دریا پہ جو آتا ہے وہ پیاسا نہیں جاتا	ع: جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
ع: زوال جس کو نہیں ہے وہ آفتاب نہیں	ع: جو دم گزر گیا وہ پھر آتا نہیں کبھی
ع: بیکس کو ستا کر کبھی پاؤ گے نہ آرام	ع: جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے
ع: غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم	ع: ان آنکھوں نے دیکھی ہے بہت شعبہ بازی

ع: ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
 ع: ہے شادی و غم گلشن ایجاد میں توام
 ع: شیشے سے سوا ہوتا ہے نازک دل بیمار
 ع: عزت پہ حرف آئے تو مرنا ہی خوب ہے
 ع: جب نوح غرق خوں ہو تو کشتی کا کون ہے
 ع: احساں کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجئے
 ع: جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا
 ع: بیٹا وہ ہے قدم بقدم ہو جو باپ کے
 ع: جو نیک کمائی ہے وہ ہوتی نہیں برباد
 ع: ہاں گو یہی ہے اور یہی میدان جنگ ہے
 ع: اک دل ہوئے جب دو تو کوئی چار نہ ہوگا
 ع: باد فنا سے گلشن ہستی تباہ ہے
 ع: نافہم ہے وہ چاند پہ ڈالے جو کوئی خاک
 ع: دنیا سے گیا جو اسے آتے نہیں دیکھا
 ع: واماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں
 ع: جو دم بھی ہے اپنا سودم باز پسین ہے

ع: بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
 ع: نزدیک ہے جو دل سے کوئی دور نہیں ہے
 ع: جو سینہ سپر ہو اسے کیا کام سپر سے
 ع: جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے
 ع: کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا
 ع: ساعت وہ اجل کی ہے کہ ٹلتی نہیں سر سے
 ع: سب آگے پیچھے ایک ہی منزل پہ جائیں گے

ع: بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہے
 ع: عمل نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں
 ع: ہوتی ہے برے دن کے لیے نیک کمائی
 ع: سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں
 ع: جو سر کہ جھکے گا وہ سر افراز رہے گا
 ع: عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا
 ع: جو کہتے ہیں منہ سے وہی کرتے ہیں بہادر
 ع: مردان خدا ننگ سمجھتے ہیں دغا کو
 ع: چھپتے نہیں لاکھوں میں جواں مرد کے تیور
 ع: جو بات پہ سردے وہ شجاعت کا دھنی ہے
 ع: جو فقر میں کرتا ہو سخاوت وہ غنی ہے
 ع: موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا
 ع: انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا
 ع: ٹھوکر وہی کھائے گا جو گھبرا کے چلے گا
 ع: آنکھیں وہی رکھتا ہے جو انجام کو دیکھے
 ع: بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو
 ع: ہر طرح بسر کرتے ہیں مردان خوش انجام
 ع: کیونکر ہو سہا نیر تاباں کے برابر
 ع: قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
 ع: ذرہ کبھی خورشید کے ہمسر نہیں ہوتا
 ع: دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری
 ع: دنیا کے کسی نوش کو بے نیش نہ دیکھا
 ع: جب خدا چاہے تو بگڑی ہوئی بن جاتی ہے

ع: جو دم گزر گیا وہ پھر آتا نہیں کبھی ع: یہ صحبتیں تو حشر تلک ہیں پہ ہم نہیں
 فصاحت کلام کے لیے موانست لفظی نہایت ضروری ہے۔ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ انیس کو
 مترادفات کے استعمال کا خاص سلیقہ تھا اور وہ ان کے امتیازات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ ذیل کی
 مثال اس بات کو اور واضح کر دے گی:-

انیس نے ایک مقام پر لکھا ہے۔

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے
 یہی بات دوسرے مقام پر یوں کہی ہے۔

یوں آگیا سنانوں میں وہ آسمان جناب ہو جس طرح خطوط شعاعی آفتاب
 ان دونوں شعروں میں یہ بات قابل غور ہے کہ پہلے شعر کے مصرع اول میں 'برچھیاں' ہندی
 لفظ ہے، اس کے مقابل مصرع ثانی میں بھی 'کرن' ہندی ہی لفظ ہے اور دوسرے شعر میں
 مصرع اول میں 'سنان' غیر ہندی ہے اس کے مصرع ثانی میں اس کا مقابل 'خطوط شعاعی' بھی
 غیر ہندی ہے۔ حالانکہ دونوں شعریوں بھی ہو سکتے تھے۔

یوں تھیں سنانیں چار طرف اس جناب کے جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے
 یوں برچھیوں میں آگیا وہ آسمان جناب ہو جس طرح خطوط شعاعی میں آفتاب
 مگر فصیح البیان شاعر نے وہ صورت اختیار کی جس میں فصاحت کلام کی ایک بڑی شرط پوری
 ہو گئی۔ اس نکتہ کو بخوبی سمجھنے کے لیے دیکھو کتاب 'نظام اردو مصنفہ' حضرت آرزو مع شرح راقم۔
 مکالمے میں جس حد کی فصاحت انیس کے یہاں ملتی ہے اس کا ذکر کسی دوسرے مقام

پر کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں اس کی تکرار ضروری نہیں معلوم ہوتی۔ روزمرہ کی مثالیں۔

حضرت نے کہا بندے پہ ہے فضل الہی سب حکم میں ہیں ماہ سے تا مسکن ماہی
 میری نہ فقیری نہ کسی اور کی شاہی ہاں ہاں مجھے منظور نہیں ان کی تباہی

مہلت ابھی دے تو انھیں گوبے ادبی کی

وہ نوح کی امت تھی یہ امت ہے نبی کی

بند ۶۴ ص ۳۶۶ ج ۱

مطلع: کیا بحر ہے وہ بحر کنارہ نہیں جس کا

اک کھیل ہے اب تو انہیں پیاسوں کا ستانا کیا جانے کیا ہے ہمیں ان لوگوں نے جانا

آساں نہیں کچھ منہ پہ جوانمردوں کے آنا تلواریں جو کھینچیں تو الٹ جائے زمانہ
بچہ بھی ہر اک شیر ہے سادات کے گھر کا
اعدا کی نہ سب فوج نہ اک طفل ادھر کا

دیکھیں کوئی لڑکوں پہ بھلا ہاتھ تو ڈالے دم بند کریں فوج کا یہ برچھیوں والے
ہر صف ابھی الٹے جو چلیں چھوٹے سے بھالے خندق کی طرح بہنے لگیں خون کے نالے
رکتے نہیں آجاتے ہیں جب غیظ و غضب میں

بچے ہیں مگر غیظ ید اللہ ہے سب میں
اعدا سے اور اکبر سے جو اس دم ہوئی تکرار بگڑے تھے غضب آپ کی ہمشیر کے دلدار
یاد آگیا مجھکو غضب حیدر کرار اکبر سے بھی کچھ آگے بڑھے جاتے تھے ہر بار
کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے
میں نے انہیں روکا نہیں لشکر پہ چلے تھے

بند ۲۱-۲۳ ص ۷۳ ج ۱

مطلع: جب دشت مصیبت میں علی کا پسر آیا
چھوٹے ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہمیں پاؤں تو جو چاہے سزا دیں میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبا زوں کے نزدیک نہیں راہ عدم دور
نہ فوج ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

بند ۱۳، ص ۱۸۲، ج ۱

مطلع: زینب نے سنی جب یہ خبر شاہ ام سے
حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ زینب نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
لے جا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ تم کو سر زینب کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
تم پاس نہ ہو گے تو کدھر جائیں گے حضرت
ہتھیار تو کھولو نہیں مرجائیں گے حضرت

بند ۲۷، ص ۲۱۱، ج ۱

مطلع: جب لاشہ قاسم کو علمدار نے دیکھا

غیر ہندی الفاظ کے تلفظ اور معنی میں انیس عربی لغت کی پیروی نہیں کرتے تھے بلکہ استعمال اہل زبان کی، مثلاً کلمہ بسکون لام۔ ہدیہ بسکون دال۔ سبقت بسکون با۔ عظمت بسکون ظا۔ ہراول بفتح واؤ۔ شائق بمعنی مشتاق یا سبب بمعنی نتیجہ۔

عابد نے کہا گو ہیں گرفتار مصیبت پھر جائے زمیں خوں سے جو دکھلائیں شجاعت
ان کا نپتے ہاتھوں میں بھی ہے زور امامت کیا جانے کیا ہے جو دکھاتے نہیں طاقت

نے ضعف کا باعث نہ نقاہت کا سبب ہے

واللہ فقط بخشش امت کا سبب ہے

بند ۱۹، ص ۲/۲۴۷، بیت

زوار بمعنی زائر۔ ان لفظوں کا استعمال اردو میں عربی لغت کے خلاف اس کثرت سے ہوا ہے کہ ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لیکن انیس نے 'حربی' بفتح، 'احکام' بمعنی حکم 'صفاتیں' اور کفاروں، بھی استعمال کیا ہے اور کلمہ بسکون لام اور عظمت بسکون ظا ترکیب فارسی کی حالت میں بھی استعمال کیا ہے۔ انیس جاہل تو تھے نہیں کہ وہ صفات اور کفار کو واحد سمجھ لیتے یا کلمہ یا عظمت کے صحیح تلفظ سے واقف نہ ہوتے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ 'صفاتیں' 'کفاروں' اور 'احکام' بمعنی حکم اس زمانے میں عام طور پر زبان زد تھے اور کفاروں تو آج بھی عوام کی زبان پر جاری ہے اور احکام کی جمع احکامات تو خواص کی زبان پر بھی ہے۔ کلمہ اور ہدیہ بحالت ترکیب لانا یا حربی کی را کو متحرک کر دینا ممکن ہے کہ انیس نے ضرورت نظم کے لیے جائز رکھا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس اصول کے پابند نہ ہوں کہ الفاظ غیر ہندی جن کا تلفظ اردو میں بدل گیا ہے ان کو ترکیب کی حالت میں اصل لغت کے مطابق بولنا ضروری ہے۔

کلمہ۔ بند ۲۷ صفحہ ۳/۷۰ بند ۵۳ صفحہ ۳/۱۱ بند ۸۶ صفحہ ۳/۱۱

شائع۔ بند ۹۲ صفحہ ۳/۱۲

ہدیہ۔ بند ۸۷ صفحہ ۳/۱۱ بند ۹۲ صفحہ ۳/۱۱

عمداً۔ بند ۳۳ صفحہ ۳/۱۸

سبقت۔ بند ۲۶ صفحہ ۳/۱۷

حربی۔ بند ۲۱ صفحہ ۳/۵۷

ہراول۔ بند ۵۷ صفحہ ۳/۳۵

کفاروں۔ بند ۴۲ صفحہ ۳/۵۹

صفاتیں۔ بند ۲۷ صفحہ ۳/۵۷

عظمت۔ بند ۱۶ صفحہ ۳/۱۵۳

احکام۔ بند ۱۲ صفحہ ۳/۶۶

زواروں۔ بند ۵۸ صفحہ ۱/۱۲۱

یہ امر غور طلب ہے کہ انیس نے یہ بظاہر غلط الفاظ اور ترکیبیں اپنے ابتدائی کلام میں صرف کی ہیں یا مشاقی کے زمانے میں بھی ترکیب فارسی کی حالت میں لفظ فارسی میں ہندی قاعدے سے امالہ جائز رکھتے ہیں مثلاً

ع ہے زور علی ہر رگ وریشے میں ہمارے

۱۲۶ صفحہ ۲۵۲

جو باتیں فصاحت میں بالعموم مخل سمجھی گئی ہیں وہی انیس کے کلام میں اکثر فصاحت میں مد ہو جاتی ہیں۔ انیس نے سچ کہا ہے۔

ہے کجی عجیب مگر حسن ہے ابرو کے لیے تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے
انیس کی ایک بیت ہے۔

سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر ہے پتلی ہے چشم میں کہ ترائی میں شیر ہے

بند ۱۵، صفحہ ۹۸/۴

دوسرے مصرعے میں آنکھ کا مانوس لفظ ترک کر کے چشم کا غیر مانوس لفظ اختیار کیا۔ فصاحت کے معینہ اصول کے اعتبار سے یہ بات اعتراض کے قابل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن پہلے مصرعے میں آنکھ کا لفظ موجود تھا اگر دوسرے مصرعے میں بھی اس کی تکرار کی جاتی تو یہ بات فصاحت میں مخل ہو جاتی۔ اس لیے شاعر مجبور تھا کہ ایک جگہ آنکھ اور دوسری جگہ چشم لکھے۔ یہ دونوں لفظ ہموزن ہیں اس لیے ممکن تھا کہ پہلے مصرعے میں چشم اور دوسرے میں آنکھ لکھا جاتا لیکن میرا انیس فصاحت کے تمام نکاتوں پر نظر رکھتے ہیں۔ پہلے مصرعے میں آنکھ ملانا ایک محاورہ لظم کیا، دوسرے مصرعے میں چشم یا آنکھ کسی محاورے کا جز نہ تھا اور کیونکہ محاورے میں تصرف جائز نہیں اس لیے انیس پہلے مصرعے میں آنکھ دوسرے مصرعے میں چشم لائے۔

محاورے میں تصرف مجبوری کی حالت میں صرف لظم میں جائز ہے:-

رُخ تہمتا گیا ہے مرے آفتاب کا اب کیا علاج فرق سے پانی گزر گیا
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

میں نے ابھی کہا ہے کہ محاورے میں تصرف جائز نہیں مگر انیس کے کمال کی کہاں تک داد دی جائے کہ وہ ہر عیب کو حسن کر دکھاتے ہیں:

دیکھا جو مہیائے ستم بے ادبوں کو دریا بھی لگایا کاٹنے غصے سے لبوں کو

جلد ۲ صفحہ ۲۸۱

محاورہ ہونٹ کا ٹٹا ہے نہ کہ لب کا ٹٹا۔ لوگ سمجھیں گے کہ انیس نے وزن اور قافیے کی ضرورت سے مجبور ہو کر ہونٹ کی جگہ لب لکھ دیا لیکن مترادفات کے نازک فرق سمجھنے والے جانتے ہیں کہ اس محل پر اگر لب کی جگہ ہونٹ کہا جائے تو کلام اگر مہمل نہیں تو غیر فصیح ضرور ہو جائے گا۔ لب دریا اور دریا کے ہونٹ ان دونوں فقروں پر غور کیجیے تو یہ نکتہ خود حل ہو جائے۔

انتخاب الفاظ انیس کا حصہ تھا۔ ایک مصرع ہے ع: جی سن سے ہو گیا کہیں کڑ کی اگر کماں اس مصرع میں خوف کے اظہار کے لیے جتنے مختلف انداز بیان ہو سکتے تھے ان سب پر جی سن سے ہو گیا کو ترجیح دی۔ اس انتخاب کی داد امکان سے باہر ہے۔ اس فقرے سے نہ صرف خوف کی حالت ذہن نشین ہو گئی بلکہ تیر کے چلنے کی آواز پڑھنے والے کے کان میں آ گئی اور خود اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اسی طرح اک تیر کے پلے سے حرارۃً مع لشکر ب ۱۳۵، صفحہ ۹۵ ج ۲ میں حملے کے اظہار کے لیے پلے کا لفظ نہایت مناسب ہے۔

ترتیب الفاظ میں بھی انیس کو بڑا کمال حاصل تھا۔

ع: سنبل سی زلفیں سرو ساقد پھول سے عذار۔

یہاں تین مرکب توصیفی جمع ہیں اور تینوں کی ساخت بالکل یکساں ہے۔ یعنی تینوں میں مشبہ بہ پہلے اور مشبہ بعد کو اور حرف تشبیہ تینوں جگہ ایک ہی ہے اور ایک جگہ ہے اگر یہ بات نہ ہوتی یعنی کہیں مشبہ پہلے ہوتا کہیں مشبہ بہ اور حرف تشبیہ کہیں سا ہوتا کہیں مانند تو اس مصرعے میں یہ حسن نہ ہوتا۔ انیس ہی کا ایک مصرع ہے۔

ع: دادا کا زور، خلق چچا کا، پدر کی خو

اس مصرعے میں بھی تین مرکب اضافی ہیں لیکن پہلے اور تیسرے میں مضاف پہلے اور دوسرے میں بعد کو اور علامت اضافت آخر میں ہے۔ اس لیے اس مصرع میں وہ حسن پیدا نہ ہو سکا جو پہلے مصرع میں ہے۔

لظم میں کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا وزن اور قافیے کی پابندیوں کی وجہ سے نہایت مشکل کام ہے لیکن انیس نے اس مشکل کام کو بھی بہتر سے بہتر طور پر انجام دیا ہے

اور جہاں ضروریات نظم نے ترتیب بدلنے پر مجبور کیا ہے وہاں بھی ایسی تبدیلی ہوئی ہے جو کانوں کو ناگوار نہیں معلوم ہوتی بلکہ اکثر تو اس تبدیلی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ انیس کا کلام جتنا فصیح ہے اس سے زیادہ بلیغ ہے اور جتنا بلیغ ہے اس سے زیادہ فصیح ہے۔ نہ فصاحت میں اس کا جواب ہے نہ بلاغت میں اس کا نظیر۔

(دیکھو آب حیات صفحہ ۴۷۴ آخری پیرا گراف اور یادداشت تاریخ مرثیہ صفحہ ۲)

فصاحت کلام کی مثالیں:

لشکر میں شادیاں تھیں ادھر غم تھا اس طرف سماں وہاں تھا جشن کا ماتم تھا اس طرف

امید ادھر تھی یاس کا عالم تھا اس طرف اعدا میں عید تھی تو محرم تھا اس طرف

کمریں کسے ہوئے تھا زمانہ جدال پر

کیا وقت پڑ گیا تھا محمد کی آل پر

بند-۴ صفحہ ۳۲۷ جلد ۲

مطلع: جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا

نعمت ہے زیت خلق میں ایسے سعید کی پیدا ہے نور رخ سے ضیا صبح عید کی

تھی سب کو آرزو رخ روشن کی دید کی تصویر ہو رسول خدائے مجید کی

کیونکر جدا نگاہ سے بیٹا کریں تمہیں

آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھا کریں تمہیں

۱۷ صفحہ ۳۲۸ ج ۲

مطلع: مذکور

دشت و غا میں نور خدا کا ظہور ہے ذروں میں روشنی تجلی طور ہے

اک آفتاب رخ کی ضیا دور دور ہے کوسوں زمین عکس سے دریائے نور ہے

اللہ رے حسن طبقہ عنبر سرشت کا

میدان کربلا ہے نمونہ بہشت کا

حیراں زمیں کے نور سے ہے چرخ لا جورد مانند کہربا ہے رخ آفتاب زرد

ہے روکش فزائے ارم وادی نبرد اٹھتا ہے خاک سے تنق نور جائے گرد

حیرت سے حاملانِ فلک ان کو تکتے ہیں
 ذرے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں
 ہے آب نہر صورتِ آئینہ جلوہ گر تابلاں ہے مثلِ چشمہ خورشید ہر بھنور
 لہریں بسان برق چمکتی ہیں سر بسر پانی پہ مچھلیوں کی ٹھہرتی نہیں نظر
 یہ آب و تاب ہے کہ گہر آب آب ہیں
 دریا تو آسماں ہے ستارے حباب ہیں
 پھیلا جو نور مہرِ امامت دم زوال ذروں سے واں کے آنکھ ملانا ہوا محال
 سارے نہال فیضِ قدم سے ہوئے نہال اختر بنے جو پھول تو شاخیں بنیں ہلال
 پتے تمام آئینہ نور ہو گئے
 صحرا کے نخل سب شجر طور ہو گئے

۵، ۳، ۱ صفحہ ۴۰۵ جلد ۱

مطلع: دشت و غامیں نور خدا کا ظہور ہے

انیس حسن بیان کے لیے اپنے دل کے خیال کو بدلنا گوارا نہیں کرتے۔ یعنی خیال کو
 عبارت کا تابع نہیں کرتے پھر بھی حسن بیان میں کوئی ان کا نظیر نہیں۔ مثلاً امام حسین اور ان
 کے اعزا کو باغ سے استعارہ کر کے ایک مقام پر کہتے ہیں:
 وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ

دوسری جگہ کہتے ہیں:

جس پر علی نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

۱۷ صفحہ ۲۷۰ ج ۲ ظاہر ہے کہ رسولؐ کے لیے باغ لگانا اور علیؑ کے لیے اس پر ریاضت

کرنا کیسا مناسب ہے۔

”میر صاحب کے خاندان کی زبان وہ ہے جو دلی سے فیض آباد میں آئی، فیض آباد سے
 لکھنؤ میں آئی..... ساتھ ہی اس کے فکر اور سانس کو مونٹ ہی وہ نظم کیا کرتے تھے۔
 دھکیلنے کو ڈھکیلنا ہی کہتے تھے۔ ہتھیار سجانے کو ہتھیار سجا ہی نظم کرتے ہیں، پے کو پے بولتے تھے
 اونٹیس کو اونٹیس نظم کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:

باریک میں سمجھ گئے مطلب انیس کا

انیس کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس کا

کچھ قدیم اردو کے الفاظ میر صاحب کی زبان پر رہ گئے تھے۔ جواب متروک ہیں مثلاً

جگہ کو جاگہ نہ اب دتی میں بولتے ہیں نہ لکھنؤ میں۔“

(علامہ طباطبائی۔ مراۃ انیس جلد دوم۔ خاتمہ ۵۳-۵۲۳)



۱۰۔ بلاغت

بلاغت کا ایک غلط مفہوم عام طور پر مشہور ہو گیا ہے جس کی بنا پر لوگ اس کلام کو بلیغ سمجھنے لگے ہیں جس میں مشکل الفاظ و دقیق لغات استعمال کر کے قابلیت کی نمائش کی گئی ہو۔ بعض لوگ اس کلام کو بلیغ سمجھتے ہیں جس میں الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوں۔ لیکن حقیقت میں بلاغت یہ ہے کہ کلام مقتضائے مقام کے موافق ہو۔ سلاست۔ اشکال۔ سادگی۔ رنگینی۔ طول۔ اختصار سب کچھ بلاغت کے اندر آ جاتا ہے بشرطیکہ مناسب محل پر ہو یعنی جو محل اختصار کا ہے وہاں اختصار اور جو محل طول کا ہے وہاں طول بلاغت میں داخل ہے یعنی بلاغت کا مفہوم ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے۔ یہ بات بھی بلاغت کے مفہوم میں داخل ہے کہ کلام کا کوئی جز و دوسری چیزوں کا نقیض نہ ہو کیونکہ یہ بھی مقتضائے مقام کے خلاف ہوگا۔ کسی مفہوم کے لیے بہترین لفظ کا انتخاب بھی بلاغت میں داخل ہے مثلاً شیر کی آواز کے لیے کئی لفظ ہیں ڈکارنا۔ ہونکنا۔ گونجنا۔ غرانا۔ چنگھاڑنا۔ گرجنا مگر ان کے معنوں میں نازک نازک فرق ہے اگر ایک کی جگہ دوسرا لفظ لکھ دیا جائے تو کلام میں بلاغت نہ رہے گی۔

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و دل کباب تھی دشت نینوا میں وہ بی بی جو بے نقاب
چہرے پہ آفتاب کے تھا دامن سحاب گیتی کو زلزلہ تھا زمانے کو اضطراب
گر گر کے آشیانوں سے طائر پھر کتے تھے
چنگھاڑتے تھے شیر ہرن سر پکتے تھے

بند ۲۱۸ صفحہ ۳۵۱ ج ۲

مطلع: جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا

اگر زبان کے مدارج قائم کیے جائیں تو معلوم ہو کہ انیس نے مرثیے کے لیے جس

درجے کی زبان استعمال کی ہے وہی سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اس سے اونچے درجے کی زبان بھی مرثیے کے لیے اتنی ہی نامناسب ہے جتنی اس سے نیچے درجے کی۔ افسوس یہ ہے کہ مدارج زبان کی پستی اور بلندی کی پیمائش کے لیے تھرما میٹر کا سا کوئی آلہ نہیں ہے جس سے اس دعویٰ کا بین ثبوت دیا جاسکتا جس سے انکار کی گنجائش کسی بد مذاق کو بھی نہ ہو سکتی۔ لیکن ایک معمولی ذوق کا آدمی بھی اگر انیس و دبیر اور رشید کے مرثیے بغور مطالعہ کرے تو اس دعوے کے تسلیم کرنے میں غالباً تامل نہ ہوگا۔

انیس جس صنف اور جس سیرت کے آدمی کی زبان سے کوئی بات ادا کرواتے ہیں اس کی خصوصیات کلام کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کے یہاں بچوں اور بوڑھوں۔ عورتوں اور مردوں۔ نیک سرشتوں اور بد طینتوں۔ شریفوں اور رذیلوں۔ بہادروں اور بزدلوں کے انداز کلام الگ الگ نظر آتے ہیں۔ یہ صفت انیس کے کلام میں اس قدر نمایاں ہے کہ لکھنؤ کے جہلا کی زبان پر بھی یہ جملہ جاری ہے کہ ”میر انیس کے یہاں حفظ مراتب بہت ہوتا ہے۔“ حفظ مراتب کی مثالیں:-

اللہ رے دلخراش علی کی بہو کے بین سکان آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
چادر پڑی تھی منہ پہ کہ تھے سامنے حسین تھامے ہوئے تھی خواہر سلطان مشرقین
نکڑے تھے تیغ غم سے دل سو گوار کے
حکم حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

بند ۱۳۲ صفحہ ۳۰۱ ج ۲

مطلع: جاتا ہے شیر پیشہ حیدر فرات پر

رونے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا سینوں میں دل دھڑکتے تھے لرزاں تھے دست دپا
کہتی تھی رو کے زوجہ عباس با وفا باہر سے یاں انہیں تو بلائے کوئی ذرا
پوچھوں تو حال کیوں شہ والا کا غیر ہے
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے

بند ۳۹ صفحہ ۹۵ ج ۱

مطلع: سبط نبی سے منزل مقصد قریب ہے

تھے دوسرے خیمے میں ادھر سبط پیمبر دربار میں حاضر تھے رفیقان دلاور
 اک پہلو میں قاسم تھے اور اک پہلو میں اکبر اکبر کے ادھر تخت دل زینب مضطر
 شیر محبت کے خن کرتے تھے سب سے
 عباس علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

بند ۱۱ صفحہ ۱۶۲ ج ۱

مطلع: جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
 یہ کہہ کے راہواروں سے اترے وہ خوش سیر
 گھوڑوں پہ سب نے رکھ دیے ہتھیار کھول کر
 باندھے جو ہاتھ کھل گیا باغ ارم کا در
 بڑھ کر حری جری یہ پکارا بچشم تر
 اے صاحبو غلام کو آنے کی راہ دو
 صدقہ محمد عربی کا پناہ دو

بند ۶۵ صفحہ ۲۰۴ ج ۲

مطلع: ہے شور آمد آمد حروف ج شاہ میں
 حضرت سکیں کا وقت آخر امام کے پاس جا کر ظالموں سے منت کرتا:-
 گرد زینب کے تھا ناموس پیمبر کا ہجوم بانو روتی تھی کھڑی بیٹتی تھی سر کلثوم
 کہتی تھی دیکھ کے میداں کو سکیں معصوم اے پھوپھی نزعہ اعدا میں ہیں شاہ مظلوم
 جاؤں گی اب میں ٹھہرنے کی نہیں آپ کے پاس
 کوئی خنجر لیے آتا ہے مرے باپ کے پاس
 باپ کے پاس میں جا کر اسے سر کاؤں گی جوڑ کر ہاتھوں کو منت سے میں سمجھاؤں گی
 اپنے بابا کی میں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی خیمے تک ان کو سنبھالے ہوئے لے آؤں گی
 بھوکے پیاسے مرے بابا کو نہ مارے کوئی
 ان کے بدلے مرا سرتن سے اتارے کوئی
 کتنا روکا اسے بانو نے پہ ہرگز نہ رکی چھوٹے سے ہاتھوں سے سر بیٹتی میداں کو چلی
 پیچھے سر کھولے ہوئے خیمے سے زینب نکلی بچنی رن میں تو سکیں یہ عمر سے بولی
 اولعین حیدر کرار کی پوتی ہوں میں
 رحم کر مجھ پہ کہ بن باپ کی ہوتی ہوں میں

دیکھ غربت کو مری کر مرے بچپن پہ نظر باپ مارا گیا میرا تو جیوں گی کیونکر
 سر پہ آوے گی یتیمی تو میں جاؤں گی کدھر میں تو ہوں باپ کی شیدا مرا عاشق ہے پدر
 باپ بن ایک دم آرام نہ آوے گا مجھے
 کون پھر رات کو چھاتی پہ سلاوے گا مجھے
 ہسلیاں اپنے گلے سے تجھے دیتی ہوں اتار لے مرے کان کا در پر مرے بابا کو نہ مار
 ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں ترے آگے ناچار منع کر دے کوئی بیکس کو نہ مارے تلوار
 گھر میں جو کچھ زرو زیور ہے وہ لادوں گی میں
 جان بابا کی بچے گی تو دعا دوں گی میں
 بھیڑ میں مجھ کو نظر آتے نہیں بابا جاں اتنا کہدے کہ سرک جائیں یہ سب بے ایماں
 گرد پھر پھر کے میں ہوں اپنے پدر کے قرباں جا کے دیکھوں گی بدن پر ہیں لگے زخم کہاں
 دم آخر تو بھلا کام میں آؤں ان کے
 اپنے کرتے سے لہو منہ کا چھڑاؤں ان کے

بند ۲۱-۲۶ صفحہ ۲۱۹-۲۲۰ ج ۳

مطلع: آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے۔

دونوں بندوں کی بیتوں کا مقابلہ کرو۔

ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں خوشرو جواں غریب جواں مہ جبیں جواں
 صفدر جواں شکیل جواں نازنین جواں کس نے تجھے مڑوڑ لیا اے حسیں جواں
 آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے مسن نہ تھے
 بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

بند ۱۶۸ صفحہ ۱/۳۷۹ بیت

سب چاہیں جس کی زیت وہ شیر ثیاں مرے افسوس نیم جاں جیے جان جہاں مرے
 پیدا تو کس جگہ ہوئے آکر کہاں مرے قدرت خدا کی پیر جیے نو جواں مرے
 اس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن نہ تھے
 کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

بند ۷ صفحہ ۱۱۹/۳ بیت

قتل امام کے بارے میں یزیدی سپاہیوں کی گفتگو شمر کی تجویز اور ابن سعد کی تقریر۔

سردار سے جا جا کے یہ کہتے تھے ستمگار اب قتل حسین ابن علی کچھ نہیں دشوار
آنکھیں ہیں تو بے نور ہیں بازو ہیں تو بیکار رکھ دیں گے گلا آپ تہ خنجر خونخوار

اس غم میں کہاں جنگ کا یارا شہ دیں کو

اکبر کے جواں مرنے نے مارا شہ دیں کو

جس سے ہو جدا یوسف ثانی وہ لڑے کیا دے جس کو پسر داغ جوانی وہ لڑے کیا

ہوئے جسے یہ تشنہ دہانی وہ لڑے کیا دو دن نہ ملا ہو جسے پانی وہ لڑے کیا

چندے جو پسر آنکھوں سے روپوش رہا تھا

یعقوب کو اس داغ میں کب ہوش رہا تھا

ہم سمجھے تھے مرجائیں گے فرزند کے ہمراہ ہیں صبر میں ایوب سے بڑھ کر شہ ذیجاہ

گودی میں پسر مرگیا اور منہ سے نہ کی آہ بولے تو یہ بولے کہ تو کلت علی اللہ

لیکن غم فرزند کچھ آسان نہیں ہے

خاموش تو ہیں تن میں مگر جان نہیں ہے

آنکھوں سے چھپا چاند جہاں ہو گیا اندھیر فاقہ ہے کئی دن کا مگر زیت سے ہیں سیر

طالب ہیں کہ گردن پہ پھر اوڑے کوئی شمشیر فرماتے ہیں اے موت اب آنے میں ہے کیا دیر

بجھتے ہوئے دیکھوں گا چراغ اور کسی کا

کیا ہے ابھی تقدیر میں داغ اور کسی کا

اب تو کوئی ایسا نہیں جو برچھیاں کھائے اکبر تھے فقط پاس سوہ خوں میں نہائے

اصغر بھی ہوئے قتل حسین اب کسے لائے اب تو یہی موقع ہے کہ جلدی اجل آئے

فرزند برابر کا نہ دشمن سے جدا ہو

اب زیت اسی میں ہے کہ سرتن سے جدا ہو

سوکھی ہوئی ہے منہ میں زباں پیاس کے مارے چہرے سے عیاں موت کے آثار ہیں سارے

اب کس کا بھروسہ علی اکبر تو سدھارے ظاہر میں تو زندہ ہیں پہ ہیں گور کنارے

روتے ہوئے ناموس پیمبر میں گئے ہیں

گر کر کئی جا خیمہ اطہر میں گئے ہیں

جو قتل ہوا شیر سے جھپٹے ہوئے آئے سر ایک کا اتنوں میں نہ ہم کاٹنے پائے
تکواریں بھی بے کس پہ چلیں تیر بھی کھائے لاشے مگر اس شیر نے جنگل سے اٹھائے

زحمت یہ اٹھے تابہ کجا تشنہ دہن سے

اب تاب و تواں نے بھی کنار کیا تن سے

سن کر یہ سخن کہنے لگا شمر ستمگار خیمے پہ چلو دیر مناسب نہیں زہنہار
ڈر کس کا ہے اب زندہ ہے کیا شہ کا علمدار ہو جائے پسر سامنے بابا کے گرفتار

نہیب کی ردا چھین لو شبیر کے آگے

کاٹو سر شبیر کو ہمشیر کے آگے

ڈر یہ ہے کہ دولت نہ کہیں شاہ کی ٹل جائے سجاد نہ سیدانیوں کو لے کے نکل جائے
پھر شام کا ہے قرب جو دن اور بھی ڈھل جائے بہتر ہے کہ خیمہ شہ مظلوم کا جل جائے

تازیست کوئی قید سے آزاد نہ ہوئے

لٹ جائے یہ گھریوں کہ پھر آباد نہ ہوئے

بولا پسر سعد لعین سن کے یہ تقریر بیکار یہ باتیں ہیں کرو جنگ کی تدبیر
کیا سمجھے ہو تم شیر کا فرزند ہے شبیر کھل جائے گا جب آئیں گے وہ باندھ کے شمشیر

غیظ آگیا گر ابن شہنشاہ عرب کو

خیبر کی لڑائی نظر آجائے گی سب کو

سچ ہے کہ بہت خوب لڑا شاہ کا بھائی دس بیس صفوں کی ہوئی اک دم میں صفائی
دو حملوں میں لی شیر نے دریا کی ترائی وہ اور لڑائی تھی یہ ہے اور لڑائی

ہے سب سے فزوں حضرت شبیر کی طاقت

اس شیر میں ہے فاطمہ کے شیر کی طاقت

زور آوری و صفدری حیدر کرار تاثیر لعاب دہن احمد مختار
رگ رگ سے اثر دودھ کا زہرا کے نمودار بھیجا جسے اللہ نے قبضے میں وہ تکوار

گیتی جو الٹ جائے تو کچھ دور نہیں ہے

اور زور امامت کا تو مذکور نہیں ہے

جیتا ہے ابھی احمد مختار کا پیارا ناموس کا لٹنا اسے ہوگا نہ گوارا
 تلوار کا کیا ذکر جو کردے وہ اشارا دم میں متفرق ہو یہ لشکر ترا سارا
 جلدی تو نہ کر فتح میں کچھ تیج نہ پڑ جائے
 ایسا نہ ہو عجلت میں بنا کام بگڑ جائے
 شبیر کے سر کٹنے کی سر ہوگی مہم جب پھر کون ہے لے لیں گے ردائے سر نہنب
 حاکم کی ظفر ہو کہیں عمدہ ہے یہ مطلب کیا جلدی ہے لوٹو گے تمہیں زیور و زرسب
 بیمار ہے سجاد کا کیا زور چلے گا
 ناموس بھی لٹ جائیں گے خیمہ بھی چلے گا
 خود آئیں گے وہ تم نہ ابھی خیمہ پہ جاؤ ٹوٹی ہوئی لشکر کی صفیں پہلے جماؤ
 بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے آؤ سید کا گلا کاٹ کے فرصت کہیں پاؤ
 دم بھر میں در فتح و ظفر کھول کے سونا
 اب رات کو راحت سے کمر کھول کے سونا

۳-۲۱ صفحہ ۴/۱۴۱-۱۴۳

اس مقام کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ انیس نے معمولی سپاہیوں کی زبان سے وہی باتیں
 کہلوائی ہیں جو واقعات پر سرسری نظر ڈالنے والوں اور غیر ذمہ دار لوگوں کے لیے زیبا تھیں۔
 شمر کی زبان سے وہ تجویز پیش کروائی ہے جو اس کی سیرت یعنی شقاوت۔ حرص۔ بے حمیتی اور
 بے حیائی کا نتیجہ ہے اور جس میں ذمہ داری کا احساس نہیں۔ ابن سعد سے وہ تقریر کروائی ہے
 جو ایک موقع شناس، معاملہ فہم افسر فوج کے لیے موزوں ہے۔

ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لیے تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لیے
 سرمہ زیبا ہے فقط زگس جادو کے لیے زیب ہے خال سیہ چہرہ لگرو کے لیے
 داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
 ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

بزم کا رنگ جدا رزم کا میداں ہے جدا یہ چمن اور ہے زخموں کا گلستاں ہے جدا
 فہم کامل ہو تو ہر نامے کا عنوان ہے جدا مختصر پڑھ کے رُلا دینے کا ساماں ہے جدا

دبدبہ بھی ہو مصائب بھی ہوں تو صیف بھی ہو
دل بھی محفوظ ہوں رقت بھی ہو تعریف بھی ہو

بند صفحہ ج

مطلع: نمک خوان تکلم سے فصاحت میری

انیس جو کام جس سے لیتے ہیں اور جو بات جس سے کہلواتے ہیں وہ اسی کے لیے
موزوں ہوتی ہے، بلاغت الفاظ کی مثال — بزم کا رنگ جدا۔ رزم کا میدان ہے جدا۔ بزم
کے لیے رنگ اور رزم کے لیے میدان کتنا مناسب ہے۔ ”میر انیس کے کلام میں
بلاغت الفاظ بھی انتہا درجے کی ہے لیکن ان کے کلام کا اصلی جوہر بلاغت معنی ہے“ (صفحہ ۳۷۷
موازنہ) دیکھو کاشف الحقائق صفحہ ۴۷۵-۴۷۸



۱۱۔ حُسنِ تخیل

بعض لوگوں کے نزدیک شاعری کا کمال تخیل کی بلند پروازی پر محدود ہے لیکن حقیقت میں تخیل کی بے تکان بلند پروازی بھی مستحسن نہیں۔ اگر تخیل قوتِ ممیزہ کی محکوم نہیں، اگر مقتضائے مقام کے خلاف ہے، اگر ضرورت سے زیادہ اونچی اڑتی ہے، اگر محاکات کے محل پر صرف ہوئی ہے تو وہ تخیل ایسی ہوگی کہ اس کی پیدا کی ہوئی شاعری جنون کی سرحد سے جا ملے گی۔ مجنون کی تخیل کی بلند پروازی کا کون انکار کر سکتا ہے، جو عقل و منطق کی تمام قیدوں سے آزاد ہو کر اڑتی چلی جاتی ہے۔

اگر محض بلند پروازی پر نظر کی جائے تو شاید کسی دوسرے شاعر کی تخیل انیس کی تخیل سے زیادہ قوی معلوم ہو لیکن اگر تخیل کے لیے مندرجہ بالا قیود اور شرائط ضروری ہیں تو میر انیس کی تخیل سے زیادہ زبردست کسی دوسرے شاعر کی تخیل نہ ہوگی۔

کلام انیس کی جن خوبیوں سے بحث کی جا چکی ہے وہ حسنِ تخیل ہی کے مختلف جلوے ہیں۔ اگر تخیل میں زور نہ ہو، تخیل صحیح نہ ہو تو کلام میں کوئی خوبی پیدا نہ ہو۔ اس لیے انیس کی تخیل سے علاحدہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم زیادہ وضاحت کے خیال سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

انیس قوتِ تخیل کی بدولت جھوٹ کو سچ، غیر ممکن کو ممکن، غیر مرئی کو مرئی کر دکھاتے

ہیں۔

صحرا سے آئے پھر سوے دریا شہ ام الیاس شاد ہو کے پکارے زہے کرم

اُبھریں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم بولے حباب آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حسن حضور سے
لے لیں بلائیں پنچہ مرجاں نے دور سے

بند ۲۶ صفحہ ۱۳ ج ۲

مطلع: جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا

ڈالا میان بحر جو اسپ صبا شتاب موجیں بڑھیں برائے قدمبوسی جناب
آنکھیں قدم سے دوڑ کے ملنے لگے حباب اچھلیں علم کے چومنے کو ماہیان آب

لہروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں
کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

مطلع: جاتا ہے شیر بیشہ حیدر فرات پر

پنچہ ادھر چمکتا تھا اور آفتاب ادھر اس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اس کی عرش پر
زر ریزی علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر دولہا کا رخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
الجھے ہوئے تھے تار خطوط شعاع کے

بند ۹۳ صفحہ ۲۰۱/۲

انیس بے سامانی میں سامان۔ مفلسی میں تمول۔ ویرانی میں آبادی۔ غم میں شادی دکھا
سکتے ہیں۔

بولے زہیر قین کہ حاضر ہیں سب غلام بڑھ کر ہوئے حبیب بھی مصروف اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام

پر تو فلگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

بند ۳۹ صفحہ ۱۳۵ ج ۲

مطلع: جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا

مڑ کر جو فرط غیظ سے قاتل پہ کی نظر مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر

جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر تیر جو آئے جھوم کے سنبھلا وہ نامور
جوش غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سے
گویا لہو ٹپکتا تھا چشم دلیر سے

بند ۹۴ صفحہ ۲۹۷ ج ۲

مطلع: جاتا ہے شیر پیشہ حیدر فرات پر

آیا نظر اس فخر سلیمان کا جو دیدار مرغان ہوا سر پہ تصدق ہوئے اک بار
تسلیم کو خم ہو گئے سب دشت کے اشجار جاروب ہوا لے گئی جنگل کا خس و خار
جھک کر بہ ادب پائے شہ عرش نشین پر
سبزے نے کیا فرش زمرہ کا زمیں پر

بند ۱۲ صفحہ ۲ ج ۳

مطلع: جب منزل مقصد پہ امام زمن آئے

حوریں ہیں گرد ساغر کوثر لیے ہوئے قدسی جلو میں ہیں طبق زر لیے ہوئے
جبریل ہیں نجات کا دفتر لیے ہوئے جھولی میں ہے نسیم گل تر لیے ہوئے
لٹتے ہیں پھول وادی عنبر سرشت میں
دولہا برات لے کے چلا ہے بہشت میں

بند ۷۴ صفحہ ۱۲۷ ج ۲

مطلع: جب نو جوان پسر شہ دیں سے جدا ہوا

بڑھ کر صدا نہیب نے دی روبرو نگاہ دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
آواز دی ظفر نے کہ اے معدلت پناہ تاباں رہے ستارۂ اقبال و عزو جاہ
زہرہ عدو کا آب کلیجا لہو رہے
ہر معرکے میں تیغ علی سرخ رو رہے

۷۷ صفحہ ۱۲۷ ج ۳

مطلع: مذکور الصدر

ع۔ ہم اپنے کیسہ خالی میں کیا نہیں رکھتے۔

مقابلہ کرو:

پیشانی پہ سجدے کا نشان تھا کہ ستارا پانی رخ پر نور سے روشن ہوا سارا
ہر مردم آبی یہ خوشی ہو کے پکارا عباس کے چہرے کا کرو چل کے نظارا
منہ ملنے لگیں مچھلیاں دامان علم پر
اٹھ اٹھ کے حباب آنکھوں کو ملتے تھے قدم پر

بند ۷۵ صفحہ ۷۹ ج ۳

مطلع: غل آمد عباس کا ہے فوج ستم میں

ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر پانی کی چمک دور سے دکھلانے لگی نہر
غازی کی قدمبوسی کو لہرانے لگی نہر بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر

دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ ابھر کے

آنکھوں پہ قدم ساقی کوثر کے پسر کے

ہر موج زیارت کے لیے ہو گئی بیتاب میں پہلے پھروں گرد یہ تھی خواہش گرداب

تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلے پے آداب آتا ہے ادھر بحر شرف کا در نایاب

آمد جو سنی تھی خلف شاہ نجف کی

گوہر تھے پے نذر ہتھیلی پہ صدف کی

بند ۸۷-۸۸ صفحہ ۲۸۰ ج ۱

مطلع: جب آب رواں بند ہوا فوج خدا پر

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امام دہر دریا دلی کا ہوگا تری شور شہر شہر

یہ سن کے بیقرار ہوئی علقمہ کی نہر سر کو قدم کیے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر

آمد سنی جو سبط رسالت مآب کی

ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

بند ۱۰ صفحہ ۱۳۲ ج ۲

مطلع: جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا

توشہ مسافرت میں یہی اور یہی ہے زاد یہ خاک آب خضر سے رتبے میں ہے زیاد

طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مردخوش نہاد لے آئے گی ہوائے موافق درمراہ
 دیکھے گا یاس میں کرم کارساز کو
 تھامے گا دست موج سے دریا جہاز کو

بند ۲۰ صفحہ ۱۴۳ ج ۲

مطلع: مذکور الصدر

ہیں سر سے قدم تک الم و درد کی تصویر واللہ کہ پہچانے نہیں جاتے ہیں شبیر
 یہ ہاتھ میں رعشہ ہے کہ تھمتی نہیں شمشیر یعقوب کو یوسف کی جدائی نے کیا پیر
 خم ہو گئے کھو کر علی اکبر سے پسر کو
 تھی ریش میں اتنی تو سفیدی نہ سحر کو

بازو تو شکستہ ہیں کمر ضعف سے خم ہے صدمہ ہے بھتیجے کا برادر کا الم ہے
 پیری میں جواں بیٹے کے مرجانے کا غم ہے بولا کوئی آنکھوں میں بصارت بھی تو کم ہے
 تھی سامنے لاش اکبر مجروح جگر کی
 حضرت سے نہ پہچانی گئی لاش پسر کی

جب باپ کو خود بیٹے نے آواز سنائی تب لاش پر قبلہ کونین نے پائی
 اور جب سے بہن خیمے سے باہر نکل آئی رخساروں پہ زردی ہے اسی وقت سے چھائی
 بے پردہ ہو زینب سی بہن شرم کی جا ہے

فرزند کے مرجانے سے یہ داغ سوا ہے
 تھا حق بہ طرف لاکھ دکھوں سے جسے پالا اس لال کے سینے پہ لگا ظلم کا بھالا
 کیا سنبھلے وہ جس کا ہو کلیجہ و بالا پالے کی محبت نے اسے گھر سے نکالا
 ورنہ کبھی باہر قدم ان کا نہیں نکلا
 دن کو کسی بی بی کا جنازہ نہیں نکلا

۱۲۔ اعتدال

انیس کے کلام کا ایک خاص وصف اعتدال ہے جس کا اظہار تین طرح پر ہوا کرتا ہے۔ ایک لفظ و معنی کی مناسبت میں، یعنی وہ دس سیر معنی کے لیے دس من کا لفظ نہیں رکھ دیتے ہیں۔ دوسرے جذبات کے اظہار میں یعنی وہ مقتضیات مقام کے لحاظ سے جذبات میں شدت اور خفت دکھاتے ہیں۔ ان کے یہاں جذبات میں جاہلانہ زور و شور نہیں ہوتا بلکہ مہذبانہ اور شریفانہ اعتدال ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ جب غصہ آیا زمین و آسمان ایک کر دیا، جب روئے جل تھل بھر دیئے، جب ہنسے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے، جب حیرت ہوئی آئینہ بن گئے۔ تیسرے تعریف و مذمت میں یعنی وہ ہر خوشنما درخت کو طوبیٰ سے، ہر پر فضا باغ کو بہشت سے، ہر حسین کو یوسف سے، ہر نیک سیرت کو فرشتوں سے بہتر نہیں کہہ دیتے۔ اسی طرح مذمت میں بھی اعتدال کا لحاظ رکھتے ہیں۔ (دیکھو کاشف الحقائق صفحہ)



۱۳۔ گفتگو اور مکالمہ

گفتگو اور مکالمے کے لکھنے میں بھی کوئی شاعر انیس کے مقابل نہیں ہو سکتا۔ یوں تو مکالمے کا نظم میں ہونا ہی خلاف فطرت ہے لیکن نظم میں بالخصوص مسدس میں جس قدر فطرت کی مطابقت ممکن ہے اتنی انیس کے یہاں موجود ہے۔ اور اگر انیس کے مکالموں کو الفاظ کی ترتیب میں ذرا سا فرق کر کے نشر کر دیں تو معلوم ہو کہ نظم کا کیا ذکر نشر میں بھی ایسا مکالمہ لکھنے والا اردو میں اب تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے بعض مکالمے اور گفتگوئیں تو ایسی ہیں کہ پڑھتے وقت یہ بات خود بخود نظر انداز ہو جاتی ہے کہ وہ نظم میں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے مکالمے اور گفتگوئیں انیس نے نظم میں لکھیں ویسی کوئی نشر میں بھی نہیں لکھ سکتا۔

مکالمے اور گفتگو کا لکھنا بظاہر جتنا آسان معلوم ہوتا ہے حقیقت میں اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ اردو ناولوں میں نشر کے مکالمے پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمی بے تکلفی کے ساتھ فطری انداز میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں بلکہ لکھے ہوئے سوال و جواب پڑھ رہے ہیں۔ تحریر میں تقریر کی بے ساختگی پیدا کرنا بڑا دشوار کام ہے۔

انیس جب دو شخصوں کی گفتگو لکھتے ہیں تو ان کے الفاظ، ان کے طرز کلام، ان کے لب و لہجے میں متکلم اور مخاطب دونوں کی عمر، صنف، سیرت، حیثیت، وقتی قلبی کیفیت، موقع اور ان کے باہمی تعلقات کا لحاظ رکھتے ہیں۔

انیس نے روزمرہ اور محاورے کا استعمال مکالمے اور گفتگو میں کیا ہے اور اس میں فطری کیفیت پیدا کرنے کے لیے ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ لیکن واقعات کے بیان یا مناظر کی تصویر میں ان سے بہت کم کام لیا کیونکہ اس سے عبارت میں ابتذال پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس سے انیس کی قوت امتیاز ظاہر ہوتی ہے۔

امام حسین اور ان کے اقربا کی گفتگو میں جو فصاحت، جو تہذیب، جو متانت اور جو وقار انیس نے دکھایا ہے اس کا جواب اردو میں کہیں نہیں مل سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ الفصح العرب کے گھرانے کا طرز کلام الفصح الہند کے سوا کوئی دکھانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

روز مرہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی لب و لہجہ وہی سارا ہو متانت ہو وہی گفتگو اور مکالمے کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

انیس کے مرثیے میں امام حسین سے جب ان کے دشمن گفتگو کرتے ہیں تو امام کا پورا احترام ملحوظ رہتا ہے۔ یہ بات بظاہر قابل اعتراض ہے، لیکن اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انیس کے دل میں امام کی وہ عظمت ہے کہ وہ ان کی حقارت کسی دوسرے کی زبان سے بھی سننا یا سنانا گوارا نہیں کر سکتے اور ”نقل کفر کفر نباشد“ کے مقولے پر بھی عمل نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ اکثر مقامات پر اشتیاق کی گفتگو طعن کے لہجے میں ہے مثلاً اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے، ہم کو تو آپ کے سرانور سے کام ہے۔ بند ۶ صفحہ ۳۴۳ ج ۱

کہتے تھے اہل ظلم کہ یا سید ام حضرت کے نور چشم سے واقف نہیں ہیں ہم اک نوجواں تو آیا تھا باشوکت و حشم چھاتی پہ اس جری کے لگا نیزہ ستم دوبار گرتے گرتے وہ غازی سنبل گیا گھوڑا کسی طرف اسے لے کر نکل گیا

بند ۱۴ صفحہ ۳۵۴ ج ۲

عمر سعد کربلا میں فوج لے کر وارد ہوتا ہے اور پوچھتا ہے۔

خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوشحصال کا

۴۴ صفحہ ۱۰۱

دریا پہ تو عمل نہیں زہرا کے لال کا

انیس نے بند ۳۶ صفحہ ۲۶۲، ۴۱۴ اپنے اصول کے خلاف لکھا ہے

عمر سعد نے اس وقت یہ زینب سے کہا اٹھ کے دربار میں چل تو نے یہ حیلہ ہے کیا

سر برہنہ تجھے بازار یوں نے دیکھ لیا پیش حاکم تجھے جاتے ہوئے آتی ہے حیا

چل تو چل ورنہ ابھی شمر کو بلواتا ہوں

سر دربار تجھے کھینچے لیے جاتا ہوں

۱۴۔ رخصت

انیس نے رخصت کے مقام پر ہمیشہ زور دیا ہے اور انھیں کی بدولت رخصت مرثیے کا ایک خاص اور مشکل حصہ قرار پایا ہے۔ اکثر رخصتوں میں جذبات نگاری کا کمال دکھایا ہے۔ حضرت علی اکبر کی رخصت بالخصوص بڑے اہتمام سے لکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اٹھارہ برس کے ایک نوجوان بیٹے کی رخصت ہے بھی ایک نہایت نازک اور مشکل مقام۔ حضرت علی اکبر کی متعدد رخصتوں کو دیکھیے اور انیس کے کمال کی داد دیجیے کہ انھوں نے اس ایک مقام کو کتنے مختلف عنوانوں سے لکھا اور ہر جگہ فطرت انسانی کی مطابقت ملحوظ رکھی۔

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوے خیام کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
دامن سے آکے بالی سکیںہ چٹ گئی
زینب بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلزار تم صبح کے گئے تھے اب آئے یہ ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار کھولو بس اب کمر کہ مراد دل ہے بے قرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رخ تہمتا گیا ہے مرے آفتاب کا

تر ہے قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ سوتا گئے ہو دھوپ میں داری ہوا میں آؤ
جھاڑوں روا سے گرد میں زلفوں کی بیٹھ جاؤ گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہو اسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک زرگی آنکھوں سے بہتے ہیں

صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر لگتا ہے کوئی آن میں خیر النسا کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میدان میں جاتے ہیں

۳۸-۴۱ صفحہ ۳۶۵ ج ۱

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے
آپ دیکھیں کہ ماں سے اس عالم اضطراب میں رخصت طلب کرنا اور مشکل تھا مگر انیس نے
فطرت انسانی کے علم کی بدولت اس مشکل کو کیونکر آسان کر دیا۔ میرا انیس سے پہلے مرثیہ
گویوں کے یہاں رخصت مرثیے کا کوئی اہم حصہ نہ تھا اور ان کے ہم عصر اور حریف مقابل
مرزا دبیر کے مرثیوں میں بھی رخصت کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔
امام حسین کی حضرت سیکنہ سے رخصت

تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبیر کو رلاؤ بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو بتول کے جانی پہ رحم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

۱۹، صفحہ ۲۹۲ ج ۲

مطلع: پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
شہ کہتے تھے کہ کم کرو الفت سیکنہ جاں ہم ہیں تمہارے پاس کوئی دم کے میہماں
سینے پہ منہ کو رکھ کے نہ روؤ بصد فغاں اب ہوگا کوئی آن میں زانوئے شمریاں
مسدود کردو ان کو جو الفت کے باب ہیں
بی بی ہم اب مسافر پا در رکاب ہیں
یثرب سے موت لائی تھی ہم کو سوئے عراق مدت سے وصل جدو پدر کا ہے اشتیاق
ہر چند درد ہجر عزیزاں ہے دل پہ شاق انجام اتحاد مسافر کا ہے فراق
تم سب کو حکم صبر ہے رقت نہ چاہیے
بی بی مسافروں سے محبت نہ چاہیے

کیوں میرے منہ کو دیکھ کے روتی ہو بار بار مرضی میں کبریا کی مرا کیا ہے اختیار
 دنیا سے اٹھ گئے ہیں یونہی سب بزرگوار کرتا ہے رحم و لطف قیموں پہ کردگار
 اس قافلے میں خلق کا حاجت روا تو ہے
 اچھا جو کوئی سر پہ نہ ہوگا خدا تو ہے

حضرت قاسم کی اپنی دولہن سے رخصت

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دلہن کے پاس آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں جی اداس
 فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس سب مر گئے عزیز شہنشاہ حق شناس
 بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا

شادی کا گھر جو تھا وہ عزا خانہ ہو گیا
 کس سے کہوں جو حال دل دردناک ہے تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
 اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے اب کوئی دم میں دلبر زہر ہلاک ہے
 آئی تباہی آل نبی کے جہاز پر

نرغہ ہے شامیوں کا امام حجاز پر
 تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد آفت میں آج ہے پسر ضیغم صمد
 دشمن کو بھی خدانہ دکھائے یہ روز بد صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہووے رد
 راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو

حیدر سے ہم بتول سے تم سرخ رو رہو
 واللہ قتل ہوں گے جو عباس نامور صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیر کی کمر
 اکبر خدا نخواستہ مارے گئے اگر مرجائیں گے تڑپ کے شہنشاہ بخرو بر
 وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے

ہم کیا پلے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے
 سو بچو تمہیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں فریاد فاطمہ کی صدائیں سنا کریں
 رخصت کرو تو فوج ستم سے وِغا کریں کھولو جو لعل لب تو گہر ہم فدا کریں
 صاحب ہمیں سپرد عروس اجل کرو
 مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور
پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے وفور
زرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور

جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ہم یوں ہیں جس طرح کہ سر آب ہو حباب
ایسی رواروی میں ٹھہرنے کی کب ہوتا ب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو

منزل بہت کڑی ہے یہ جلدی روانہ ہو

اک دم کی بھی ہمیں تو جدائی ہے تم سے شاق
کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمہ فراق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یونہیں رہو گی تن پاش پاش پر

کیا بین بھی کرو گی نہ دولہا کی لاش پر

جب یہ سنے کلام تو جی سننا گیا
دل پر چھری چلی کہ جگر تھر تھرا گیا
منہ پر دولہن کے صاف رنڈا پاسا چھا گیا
جوش بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولہا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی

صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم
پیا سا گلا کٹا کے ملو گے حسن سے تم
سوؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دولہن سے تم

اک رات کی نبی پہ جفا یونہی چاہیے

اے شمع بزم مہر و وفا یونہی چاہیے

بتلاؤ کیا کریں جو نہ روئیں بہ درد و یاس
نہ باپ کی نہ بھائی کی اور نہ چچا کی آس
مہماں ہیں کوئی دم کے جہاں میں وہ حق شناس
سونپا تھا آپ کو سور ہے آپ بھی نہ پاس

وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے

تم کیا کرو نصیب ہمارے الٹ گئے

میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ راضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ نبھ جائے گا ہمارے رنڈا پے کا غم نہ کھاؤ

مسکن کریں گے رن میں تن پاش پاش پر

ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسم بحال زار ہن من مبارز کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلغذار موقع نہیں ہے دیر کا اٹھو یہ ماں نثار

کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا

جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع اٹھا دلبر حسن برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل پڑ گیا کہ لنتی ہے اک رات کی دلہن اس وقت سب سے دولہا کی ماں کا تھا یہ سخن

جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی

رخصت ہے بیویو زن بیوہ کے لال کی

بند ۵۰-۶۳ صفحہ ۲۵۶-۲۵۷ ج ۲

مطلع: پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح

دولہا نے جو دیکھا کہ دلہن غم سے ہے مضطر چلنے لگے سینے پہ غم و درد کے نشتر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرہ انور جھک کر کہا زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر

لہ نہ روؤ تمہیں سمجھاتے ہیں صاحب

کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

اب پھر کے نہیں آنے کے ہوتی ہے جدائی حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
تقدیر نے آئینے میں صورت تو دکھائی پھر شان نہ اس مصحف رخ کی نظر آئی

لب بند ہی رکھے در گفتار نہ کھولا

ان زرگی آنکھوں کو پھر اک بار نہ کھولا

کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم راحت ہے خوشی سے جو گزر جائے کوئی دم
اک آن میں صحبت یہ کہاں اور کہاں ہم ہو جائے گا شادی کا مکاں خانہ ماتم

زندانی مصیبت تمہیں رونے کو ملے گا

اور گوشہ تربت ہمیں سونے کو ملے گا

تکواروں سے واں جسم مرا ہووے گا صد چاک لوٹیں گے عدد آ کے یہاں بیاہ کی پوشاک
بھر جائے گی اس مانگ میں صندل کے عوض خاک کنگنا نہ کھلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک

خنجر مری گردن سے کوئی دم کو ملے گا

رٹ سالہ نہ تم کو نہ کفن ہم کو ملے گا

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمہیں گھر سے نکلتے سائے کی طرح پاس سے اک آن نہ ملتے
اس گل سے کف پا سے سدا آنکھوں کو ملتے کیا کیجیے ہیں تیر چچا جان پہ چلتے

سوار ہوں صدقے تو نہ حق ان کے ادا ہوں

مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے عمو تو اکیلے ہیں ادھر فوج گھڑی ہے
دنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے دل پاس تمہارے ہے ادھر جان لڑی ہے

کیا جانے کیا وقت اجل ہوئے گی مشکل

رخصت ہمیں اب دوگی تو حل ہوئے گی مشکل

اک جان ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے سنتا ہوں میں عباس کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاس محبت ہے تو واں جائے ادب ہے فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے

ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو

الفت تو ادھر کھینچتی ہے موت ادھر کو

چلاتی ہیں زہرا مرے گل پیر بن آؤ سہرا مجھے دکھلانے کو ابن حسن آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صف شکن آؤ اس بیاہ کے خلعت کو بنا کر کفن آؤ

بجھتا ہے چراغ آج محمد کی لحد کا

اے لال یہی وقت ہے عمو کی مدد کا

جس وقت سنی درد کی تقریر یہ ساری تادیر تو بولی نہ دلہن شرم کی ماری
دولہا نے رکھا پاؤں پہ جب سر کئی باری آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری

سمجھی میں بس اب مجھکو نہ سمجھائیے صاحب
 کیا زور مرا خیر چلے جائیے صاحب
 ہے آپ کو منظور مرا رائڈ بنانا راس آیا نہ صاحب کو مرا بیاہ کے لانا
 آنا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا روکوں تو کہو گے مرے کہنے کو نہ مانا
 اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہو گی ملاقات
 دولہا نے کہا حشر میں اب ہو گی ملاقات

بند ۲۱-۳۰ صفحہ ۱۹۵-۱۹۶ ج ۱

مطلع: جب حضرت زینبؓ کے پسر مر گئے دونوں

حضرت علی اکبرؓ کی رخصت:

اس وقت کس سے درد دل اپنا کہوں میں آہ تم بھی ہو سد راہ پھوپھی بھی ہیں سد راہ
 چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سیاہ اماں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
 اب زندگی ہے تلخ بہت دق ہیں جان سے
 الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے
 دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
 اب غیر یاس کوئی نہیں ان کے آس پاس ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
 کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
 پیری میں دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں
 عباس جب سے مر گئے روتے ہیں دمبدم رخ زرد ہے کہاں کی طرح ہو گئے ہیں خم
 چلوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانی ستم قرباں ہوں کس طرح پسر فاطمہ پہ ہم
 سب روکتے ہیں رن کی طرف جائیں کس طرح
 ماں کو پھوپھی کو بہنوں کو سمجھائیں کس طرح
 بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
 مرضی ہے آپ کی کہ مری پاس سے نہ جاؤ یا فاطمہ تمہیں علی اکبر کے کام آؤ
 چلنے لگیں نہ تیر شہ مشرقین پر
 نزعہ ہے ظالموں کا تمہارے حسین پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابی پر وارث کی بیکسی پہ لگا کاپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر دولت پہ فاطمہ کی تصدق تمام گھر

پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں

روتے ہو کس لیے تمہیں کب روکتی ہوں میں

زہرا کے لال پر مرے مادر پدر نثار عابد نثار اصغر تشنہ جگر نثار

جانیں ہزار ہوں تو فدا لاکھ سر نثار قربان گھر کنیز تصدق پر نثار

کسرائی گو کہ ہوں پہ بہو میں علی کی ہوں

مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی خنی کی ہوں

مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوشخصال رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال

صدقہ انہیں کا ہے کہ ملا تم سانو نہال رخصت کا صدقے جاؤں پھوپھی سے کرو سوال

ہم سب کنیزیں بنت امیر عرب کی ہیں

اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمہارے سب لیکن ہے ان کے عشق سے نسبت کسی کو کب

دن کو انھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب لیجے انہیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب

مجھ سے نہ کچھ نہ سید عالی سے پوچھیے

گر پوچھئے تو پالنے والی سے پوچھیے

روتے ہوئے گئے علی اکبر پھوپھی کے پاس دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس

زانو پہ سر لیے ہوئے کبرا ہے بے حواس اس حال میں بھی لب پہ یہی ہیں کلام یاس

اب تاب و طاقت جسد و روح و دل گئی

کیوں صاحبو رضا علی اکبر کو مل گئی

اکبر سے مجھکو یہ نہ توقع تھی ہے غضب اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بہ لب

اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب نام خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب

ہیں محورن کے شوق میں رخصت کے دھیان میں

سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

یا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم مالک اب اور ہو گئے کوئی رہے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم ہے ہے وہ میرا درود مصیبت وہ رنج و غم

جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں

پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں

کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی بے میرے لیئے نیندا نہیں آتی نہ تھی کبھی
بے ان کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی روئیں پسر پہ ان کو رلاتی نہ تھی کبھی

میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے

جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خرد سال پران کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نو نہال میں کہتی تھی ہنو علی اکبر ہے میرا لال

وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے

پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا پر عون کیا عقیل تھا بخشے اسے خدا
دن رات تھی خوشامد ہمشکل مصطفیٰ سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کہا

آقا کے نورعین ہیں عالی مقام ہیں

اماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرت قمر الفت میں ان کی مجھ کو کچھ ان کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دم سحر صورت پہ تھی انہیں کی تلاوت میں بھی نظر

غافل نہ ان کے پیار سے میں ایک آن تھی

قرآن تو رحل پر تھا حائل میں جان تھی

میں نے انہیں پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سانو نہال
مانگیں تو آ کے مجھ سے بھلا رخصت جدال نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال

کیا خوب جیتے جی مرے جائیں گے مرنے کو

تکوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار اب کیا غرض گزر گئی وہ فصل وہ بہار
بھیگیں مسیں نمود ہوا سبزۂ عذار مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار

ثابت ہوا ادھر سے ادھر مرنے جائیں گے

میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئیں گے

باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام بھابھی نے کیوں لیا تھا ابھی رو کے میرا نام
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام آنکھیں تو آپ کھولے حاضر ہے یہ غلام

خادم جدا نہ تھا شہ گردوں سریر سے

کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضی جناب

روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب شکوہ یہ خاکسار کا اے بنت بو تراب

ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں

پالا ہے مجھ کو مالک و مختار آپ ہیں

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی کرتی ہے روح شکر وہ راحت مجھے ملی

یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی رکھا عزیز آپ نے عزت مجھے ملی

صدقہ ہے اس قدم کا جو سرتا فلک گیا

کی مہر آفتاب نے ذرہ چمک گیا

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام بندے ہیں ہم اطاعت مالک سے ہم کو کام

تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام

روتی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے

پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار بس ہو گئیں محبت قلبی سے بیقرار

پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو انھیں بحال زار شکوے کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نار

اٹھا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے

دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کر بلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو صدقے ہے تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو

باتیں تمہیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو

آئے بلا حسین پہ جو اس کو رد کرو

اچھا سدھارو دکھ میں پدھر کی مدد کرو

افت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر اٹھا یہ دل میں درد کہ تھرا گیا جگر

کبرا کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر

میں روکنے نہ پائی کہ وار ان کا چل گیا

کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجا نکل گیا

کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نو نہال ہے ہے مری کمائی پہ آجائے گا زوال

جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال بے ہوش ہوں حواس میں ہے میرے اختلال

ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں

جو آپ میں نہ ہو سخن اس کا سند نہیں

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب

لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی طلب اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب

اصلاً خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا

میں نے جواب کیا دیا اکبر نے کیا کہا

کیا کہہ دیا تھا مرنے کو جائے یہ گلبدن راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن

بیخود ہوں جب سے رن میں سدھارے شہ زمیں کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن

اتنی خبر نہیں علی اکبر کے پیار میں

قابو میں ہے نہ دل نہ زباں اختیار میں

زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں اس پیاس میں شہید ہوں فاقوں میں زخم کھائیں

اٹھا رہواں برس ہے دلھن تو مجھے دکھائیں پالا ہے منتوں سے مرادیں مری بر آئیں

مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لوں

سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر ایسا نہ ہو کہ بانوے بیکس کو ہو خبر

گر سن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر پیارا ہوا نہ بنت علی کو مرا پسر
سمجھی تھیں کیا جو دی اسے رخصت جدال کی

زینبؓ نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

سچ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں

کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خیر ہے

ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے

ماں کی نہ کم تو جہی اور نہ کسی کا پیار غصہ ہو یا کہ سخت کہے دل میں ہے نثار
بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار

دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں

میرا ہے جب یہ حال پھر اس کی تو جان ہیں

جس دم سنے یہ دور سے بانو نے سب کلام آئی قریب حضرت زینبؓ وہ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کر اے خواہر امام میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام

کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا

بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

لوٹتی ہے فاطمہ کی کنیزوں میں باوفا ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گلا
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا

کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو

ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

غم کھائی نہ خون جگر آپ پیجئے عابد کو بھیج دیجئے اصغر کو بھیجئے

ہے اختیار دیجئے رخصت نہ دیجئے قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجئے

شادی ہو یا کہ غم ہو شریک ثواب ہوں

ہر طرح سے میں تابع حکم جناب ہوں

گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں

کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطان کی جائی ہوں لونڈی ہو آپ کی علی اکبر کی دائی ہوں

صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں

بھانج نہ جانے مجھے ادنیٰ کنیر ہوں

آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال دخل اس معاملے میں کوئی دے یہ کیا مجال

یہ عازم جدال ہے اور آپ کا یہ حال قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال

آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر

پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

قسمت بُری ہے اس میں کسی کا قصور کیا اچھا رہیں کہ جائیں ہمارا بھی ہے خدا

پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا تابع ہم آپ کے بھی ہیں ان پر بھی ہیں خدا

عابد ہوں یا کہ یہ سبھی آنکھوں کے تارے ہیں

پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں

یہ سن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار آئی صدائے فاطمہ بیٹی یہ ماں نثار

اللہ یہ محبت فرزند اور یہ پیار تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گل عذار

رخصت نہ دے گی تو اگر اس نور عین کو

کون اب بچائے گا مرے بیکس حسین کو

آواز سن کے کانپ گئی بنت مرتضا بانو کے منہ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا

واری سدھارو خیر، ہو جو مرضی خدا ترک ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا

یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں

بنت نبی تمھاری سفارش کو آئی ہیں

۲۲-۸۳ صفحہ ۳۶۵-۳۷۰ ج ۱

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

مولا یہ غلام اب متمنی ہے رضا کا مشتاق ہے یہ خشک گلا آب بقا کا

شہرہ ہے علمدار دلاور کی وغا کا کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہ خدا کا

اس خاک کا ذرہ ہو تو خورشید وہی ہے

جو آج مرے زندہ جاوید وہی ہے

جینے پہ مرے عشق خدا جس کو نہیں ہے پتھر ہے محبت کا مزا جس کو نہیں ہے
 خاک اس زرد گوہر پہ بقا جس کو نہیں ہے لٹتی ہے وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہے
 ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو

حصہ یہ اسی کا ہے جو قسمت کا دھنی ہو

ڈوبے گا جو حیدر کے سفینے میں نہیں ہے نام اس کا شفاعت کے نگینے میں نہیں ہے
 دل مردہ ہے اور درد بھی سینے میں نہیں ہے مرنے میں جو لذت ہے وہ جینے میں نہیں ہے

سر دینے کی لذت کوئی سرداروں سے پوچھے

زخموں کا مزا شہ کے نمک خواروں سے پوچھے

پھر موت ہے گر عمر ملی لاکھ برس کی بلبل سے اب اٹھتی نہیں تکلیف قفس کی
 واماندوں کو آتی ہے یہ آواز جرس کی ایذا ہے مسافر کو فقط چند نفس کی
 اس دن کے سوا تو شہ عقیٰ نہ ملے گا

ڈھونڈے گا تو پھر قافلہ ایسا نہ ملے گا

دوری نہیں کچھ عمر سفر ہوتی ہے کوتاہ ہمت ہو تو کٹ جاتی ہے نرمی سے کڑی راہ
 سالک ہے وہی راہ رضا سے ہے جو آگاہ آسپل کی صورت تجھے کوثر کی ہے گر چاہ
 جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے

دن بھر میں کہاں مہر پہنچتا ہے کہاں ہے

کوتاہی قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے محبوب محمد سے تجل شاہ عرب سے
 سردیں گے دم صبح ارادہ تھا یہ شب سے تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا پاس ادب سے
 دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں

قاسم تو ہوں فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

چھوٹے جو ہوں وہ جو ہر شمشیر دکھائیں ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشے پہ جائیں
 عباس علی خوں میں لب نہر نہائیں بعد ان کے بھی سردینے کا ہم اذن نہ پائیں
 فرزند فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید

ہم حیدر کرار کے پوتے نہیں شاید

بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی مٹ جائیں گے جو ہر جو ہمیں نے نہ وغا کی
ہم شیر ہیں شیروں کے، قسم شیر خدا کی حرمت ہیں شجاعت کی تو عزت ہیں وفا کی

قبضوں میں کمائیں رہیں ہتھیاروں سے کھیلے

بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے

نہ صبر میں حضرت سا کوئی ہے نہ رضا میں گھر آپ نے صدقے کیا سب راہ خدا میں

یہ حوصلہ کس کا ہے کہ روئے نہ عزا میں کچے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں

گر بعد خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا

دیجے مجھے رخصت کہ نخی آپ ہیں مولا

اے سالک منہاج علی راہ دکھا دے دروازہ رحمت مجھے لئے دکھا دے

مشتاق ہوں جس در کا وہ در گاہ دکھا دے دربار شہنشاہ فلک جاہ دکھا دے

واں پہنچیں جہاں عرش بھی پایا نہیں رکھتا

ہمسائے میں اس کے ہوں جو سایا نہیں رکھتا

یہ کہہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہ انور سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے سرور

میں مانع تحصیل سعادت نہیں دلبر جو تم سے بن آئے وہ کرواے علی اکبر

یہ سنتے ہی دنیا سے گزر جائے گی نہ نب

رونا مجھے اس کا ہے کہ مرجائے گی نہ نب

عمر اس نے گنوائی ہے محبت میں تمھاری سب ہیں یہ وہ عاشق ہے حقیقت میں تمھاری

اٹھارہ برس کاٹے ہیں الفت میں تمھاری کیونکر اسے صبر آئے گا فرقت میں تمھاری

اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شے ہو

یہ مرحلہ ایسا ہے کہ دو باتوں میں طے ہو

بسم اللہ اگر عزم ہے تو خیمے میں جاؤ ماں سے بھی پھوپھی سے بھی رضا جنگ کی لاؤ

روکوں گا نہ میں شوق سے پھر برچھیاں کھاؤ آب دم شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ

دیر اب کہیں دنیا سے گزرنے میں نہ ہووے

ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں نہ ہووے

حسرت ہے کہ اب دیجئے سر راہ خدا میں سو نفع سے بہتر ہے ضرر راہ خدا میں
 آباد ہے لٹ جائے جو گھر راہ خدا میں ہو عید جو قرباں ہو پسر راہ خدا میں
 اک یہ بھی عطا ہے کہ بنے کام ہمارا
 دولت تو اسی کی ہے سب اور نام ہمارا
 یہ سن کے گیا خیمے میں وہ صاحب توقیر الفت سے پھری گرد پسر بانوے دلگیر
 لپٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر سوتا گئی ہے دھوپ میں یہ چاندی تصویر
 دو دن سے اس آفت میں نہیں سوئے ہو بیٹا
 آنکھوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئے ہو بیٹا
 حضرت کی تو ہے خیر کہو اے مرے دلبر اشک آنکھوں سے ٹپکا کے یہ بولا وہ دلاور
 اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا لشکر نہ آپ کے بیٹے نہ بھتیجا نہ برادر
 عمو نے بھگایا تھا جنھیں وہ بھی پھرے ہیں
 مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں
 اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے اظہار جو انمردی جد کر نہیں سکتے
 فوجوں کے ہٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے بے حکم کوئی وار بھی رد کر نہیں سکتے
 دربار میں سر دینے کی باری نہیں آتی
 سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی
 رخصت ہمیں ماں دیں نہ پھوپھی دیں نہ پردیوں مجبور ہیں کیونکر قدم شاہ پر سر دیں
 دم بھر میں یہ میدان دغا لاشوں سے بھر دیں سرکش جو بڑھے آتے ہیں پسا انھیں کر دیں
 اندوہ و مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں
 وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتیں
 جائیں گے کدھر جب نہ رہے سید عالی نہ دوست نہ ہم دم ہے نہ مولا نہ موالی
 کیسی یہ مصیبت فلک پیر نے ڈالی یہ آج کا جینا نہیں دو حال سے خالی
 یا کوہ میں یا دشت کے میداں میں مریں گے
 یا بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں مریں گے
 الفت میں بگڑتا ہے بنا کام ہمارا اب صفحہ ہستی سے مٹا نام ہمارا

شہرہ تھا بہت روم سے تا شام ہمارا آغاز تو وہ اور یہ انجام ہمارا

یہ منزل ایذا و بلا کاٹ کے مرتے

گر منع نہ ہوتا تو گلا کاٹ کے مرتے

سردے کے شجاعان عرب خلد میں پہنچے دنیا سے بصد عیش و طرب خلد میں پہنچے

پھر راحت و آرام ہے جب خلد میں پہنچے اے دے ہمیں رہ گئے سب خلد میں پہنچے

آفت میں کوئی روکنے والا ہی نہ ہوتا

اے کاش پھوپھی نے ہمیں پالا ہی نہ ہوتا

کس کو ہے نظر تشنہ دہانی پہ ہماری دے گا نہ کوئی نذر بھی پانی پہ ہماری

رونے کی ہے جا مرتبہ دانی پہ ہماری جیتے رہے خاک ایسی جوانی پہ ہماری

چرچا نہ فدا ہونے کا دنیا میں رہے گا

مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کہے گا

ہتھیار کدھر پھینکیں کدھر چھپنے کو جائیں کس بن میں رہیں کون سے جنگل کو بسائیں

تنہا ہیں سفارش کے لیے کس کو بلائیں امداد کریں شیر خدا فاطمہ آئیں

اعجاز ہو تو کام مرا بند نہ ہوگا

یوں تو کوئی رخصت پہ رضا مند ہوگا

زینبؓ نے کہا کس پہ یہ غصہ ہے میں داری کچھ منہ سے کہا میں نے کہ مادر نے تمھاری

کیا وجہ ہے کس بات پہ ہے گریہ و زاری سچ لیجئے ہتھیار طلب کیجے سواری

انصاف کرو صدقے گئی اہل صفا ہو

روکیں تو پدر پالنے والوں سے خفا ہو

کیوں کاٹو گلا غیظ سے کیوں ہونٹ چباؤ میں شہ سے دلا دوں گی رضا شوق سے جاؤ

مرجاؤں گی سر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ اس رخ کی بلائیں تو میں لے لوں ادھر آؤ

تقصیر ہمیں سے ہوئی لو جانے دو بیٹا

ابھی ہوئی زلفوں کو تو سلجھانے دو بیٹا

بانو نے کہا لو انھیں یوں کون منائے غصہ بھی اٹھائے وہی جو ناز اٹھائے

کبھی میں یہ حضرت سے خفا ہو کے ہیں آئے اس پردے میں پیغام جدائی بھی ہیں لائے
کچھ ان کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بھائی کی باتیں
میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں

۱۰-۳۵ صفحہ ۸۲-۸۶-جلد ۳

مطلع: دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر

اکبر کی یہ ہے عرض کہ میداں کی رضا دو رستہ مجھے فردوس کے جانے کا بتادو
بابا مری الفت کو بس اب دل سے اٹھا دو اماں سے بھی رخصت مجھے مرنے کی دلا دو

کٹوائے گا سر رن میں غلام آپ سے پہلے

زندہ ہے وہ بیٹا جو مرے باپ سے پہلے

اب لطف ہے کیا جینے کا سب کٹ چکا لشکر کام آئے پھوپھی زادے چچا زادے برادر
عباس علمدار گئے جانب کوثر نام اپنا ہو روشن جو کٹے شمع صفت سر

بعد اب نہ مرے آہ و بکا کیجئے بابا

اکبر کو بھی امت پہ فدا کیجئے بابا

ہے میرے سوا کون جو ہو آپ پہ قرباں عابد ہے سو بیمار جو اصغر ہے سو نادان
فرماتے ہیں حضرت یہ نہ ہو گا کسی عنوان اے جان پدر پہلے ہمیں ہونے دو قرباں

جب لاش مری رن سے اٹھا لائیو بیٹا

پھر شوق سے مرنے کے لئے جایو بیٹا

بیکس کی رفاقت کو نہ چھوڑو مرے جانی پیری میں اٹھے گا نہ ترا داغ جوانی
گو پیاس بہت ہے تجھے اے یوسف ثانی ہم نے بھی تو دو روز سے پایا نہیں پانی

بابا سے جدا ہونا گوارا نہ کرو تم

کوثر کے لیے ہم سے کنارہ نہ کرو تم

اس واسطے پالا تھا تجھے اے مرے دلدار مظلوم پدر کے دم آخر ہو مددگار
دم آنکھوں میں جب آئے تو دیکھیں ترا دیدار مرجائیں تو تم قبر کرو باپ کی تیار

مختار ہو گھر بار کے عاقل ہو جواں ہو

فرزند پیمبر کے تمہیں فاتحہ خواں ہو

ماں باپ کا مرنا تو ہے میراث مری جاں سو باپ تو جیتا رہے فرزند ہو بیجاں
ہوئے گا نہ مجھ کو یہ گوارا کسی عنوان مرنے کو تمہیں جانے دوں اکبر سوے میداں

تم جیتے رہو روح مری شاد رہے گی

اور بانوے مغموم بھی آباد رہے گی

سن کر یہ خن شاہ کا رونے لگے اکبر کی عرض کہ فریاد ہے یا سبط پیمبر
میں زندہ رہوں آپ کے تن پر سے کئے سر اے قبلہ دیں یہ ہو گوارا مجھے کیونکر

حضرت کی جدائی کا نہ میں داغ سہوں گا

صدقے نہ ہوا گر تو کہیں کا نہ رہوں گا

کہنے لگے سن کر یہ خن سید ابرار بیٹا تری تقریر سے ہم ہو گئے ناچار

پھر گرنے لگا باپ کے قدموں پہ وہ دلدار لپٹا کے گلے سے شہ والا نے کیا پیار

فرمایا کہ رلواؤ نہ مجھ سوختہ جاں کو

اچھا یہی مرضی ہے تو راضی کرو ماں کو

بانو بھی کھڑی دور سے سنتی تھی یہ تقریر سرور سے لگی کہنے کہ اے حضرت شبیر

کیا ذکر مرا کرتے ہو کیا ہوتی ہے تدبیر شہ نے کہا بے آس ہمیں کرتی ہے تقدیر

آتی ہے خزاں باغ اجڑتا ہے ہمارا

فرزند جواں ہم سے بچھڑتا ہے ہمارا

میں چاہتا ہوں لال رہے تیرا سلامت بانو تری دولت پہ مگر آتی ہے آفت

مجھ سے تو یہ روکے نہیں جاتے کسی صورت اب تم سے طلب کرتے ہیں یہ مرنے کی رخصت

کیونکر کہوں میں ایسی کمائی کو مٹا دو

تم چاہو رضا دو انھیں چاہے نہ رضا دو

بانو نے کہا اس میں ہے کیا آپ کی مرضی حضرت نے کہا جس میں ہوا امت کی بھلائی

پیارے علی اکبر ہیں تو امت بھی ہے پیاری صدقے کیا بھائی کو محبت ہے یہ ان کی

منظور ہے سر اپنا نہ تیغ دھروں میں

میدان میں پہلے علی اکبر سے مروں میں

سن کر یہ خن رونے لگی بانوے ناشاد چلائی کہ لٹتی ہوں میں فریاد ہے فریاد

دوڑو ارے لوگو مرا گھر ہوتا ہے برباد مرجاؤں تو ہوں قید غم و رنج سے آزاد

تدبیر کرو کچھ مرا گھر لگتا ہے لوگو

پردیس میں مادر سے پسر چھٹتا ہے لوگو

سرور سے مراراج ہے اکبر سے ہے اقبال وہ فاطمہ کا لال ہے یہ بانو کا ہے لال

بیٹے کو جو رخصت دوں تو ہے دل کا عجب حال اور روکوں تو زہرا کا چمن ہوتا ہے پامال

ہر طرح کمر غم سے اکھڑ جائے گی میری

یا مانگ دیا کوکھ اجڑ جائے گی میری

روکر کہا اکبر نے کہ اے مادر غمنخوار مانگو یہ دعا زندہ رہیں سید ابرار

اب دودھ ہمیں بخشو کہ ہیں مرنے پہ تیار اس پیاس میں ہیں جام شہادت کے طلب گار

کوکھ اپنی بچانے کا نہ ساماں کرو اماں

زہرا کے پسر پر ہمیں قرباں کرو اماں

بانو نے کہا صبر تو آتا نہیں واری تم نے تو چھری ماں کے کلیجے پہ ہے ماری

مرجاؤں گی اے لال میں فرقت میں تمھاری خیر اب یہی مطلب ہے تو منگواؤ سواری

پر میں کوئی حسرت تو نکالوں علی اکبر

آؤ تمھیں دولہا تو بنا لوں علی اکبر

اکبر نے کہا اس سے ہے کیا فائدہ اماں غم ہوگا زیادہ تمھیں یہ دیکھ کے ساماں

اٹھ جائیں گے ہم خلق سے ناشاد و پرارماں بہتر تو یہ ہے چاک کرو میرا گریباں

نہ جوڑا نہ سہرا نہ دلھن چاہیے مجھ کو

اب گوشہ قبر اور کفن چاہیے مجھ کو

لاشے کے اٹھانے کا جو ساماں ہو میسر سہرا مرے تابوت پہ تم باندھیو مادر

یاد آؤں گا جس وقت تو رونا یہی کہہ کر ہے ہے مرے ناشاد و پرارماں علی اکبر

باندھی ہے کمر گلشن ہستی سے سفر پر

بس ہے یہی شادی کہ تصدق ہوں پدر پر

دل سے فرماتے ہیں یہ دیکھئے اب ہوتا ہے کیا بانو دیتی ہے کہ بیٹے کو نہیں دیتی رضا
صبر کی جانہیں ہوتا ہے پسر ماں سے جدا اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا
جسم کانپے گا قلق ہوگا غش آجائے گا

حرف رخصت کا نہ بانو سے سنا جائے گا

بانو کہتی تھی کہ کیا کہتے ہیں اکبر یا شاہ ان کے جو دل میں ہے کچھ آپ ہیں اس سے آگاہ
دیکھتی ہوں میں کہ حضرت کی بھی حالت ہے تباہ ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھ سے تو کہیے للہ
منہ سے کچھ کہتے نہیں پاس ادب کرتے ہیں

کون سی چیز ہے جو ماں سے طلب کرتے ہیں

شاہ فرماتے ہیں بانو سے کہ اے نیک نہاد رازداں ہوتی ہے ماں بیٹے کی بابا سے زیاد
پوچھو اکبر سے کہیں گے جو کچھ ان کی ہے مراد حق نہ ماں باپ کو دکھلائے فراق اولاد

تھا مقدر میں کہ سب ہوویں جدا ہم دیکھیں

اب بھی اٹھ جائیں جہاں سے تو نہ یہ غم دیکھیں

سن کے یہ بانو نے فرزند سے پوچھا رورو کیا کہا چاہتے ہو ماں سے تو اے لال کہو
ہاتھ کیوں جوڑے ہو ان ہاتھوں کے ماں صدمتے ہو کہا اکبر نے رضا مرنے کی اماں ہمیں دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہوں گے ہم

دودھ بخشو ہمیں بابا پہ ندا ہوں گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے ماں ہو گئی زرد دھیان آیا کہ چلا ہائے پسر بہر نبرد
مردنی چھا گئی چہرے پہ اٹھا دل میں درد دیکھ منہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دم سرد

تم سے پھڑو گی تو واری میں کدھر جاؤں گی

پھر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مرجاؤں گی

کہا اکبر نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت خیر مرنے کو نہ جاویں گے نہ کچے رخصت
میرے بابا سے ہوئے بھائی بھتیجے رخصت مجھ کو بھی دھیان ہے یہ آپ سے لیجے رخصت

ماں سے فرزند کو تکرار کا یارا کیا ہے

تابع حکم ہیں ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قرباں کیے زہرا کے پسر پر فرزند
 کٹ گئے تیغوں سے کس کس کے جگر کے پیوند
 میں نے چاہا تھا کہ ہو آپ کا بھی نام بلند
 پر تعجب ہے کہ آئی نہ مری بات پسند
 آپ کہتی ہیں نہ جاؤ تو نہ جائیں گے ہم
 اپنے ہم چشموں کو پر منہ نہ دکھائیں گے ہم
 جائے گا سوے یثرب تو نہ جائے گا غلام
 کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
 خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام
 قید ہم ہوں گے کہ لڑنے کا نہیں ہے ہنگام
 آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
 طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم
 آج جو مرتے تو داخل شہدا میں ہوتے
 پائنتی باپ کے آرام سے رن میں سوتے
 لاش پر کہتے ملک ہائے علی کے پوتے
 حشر تک ہم کو عزا دار جہاں میں روتے
 جو ہے منظور ہمیں آپ کو منظور نہیں
 اب بھی فرماؤ تو میدان و عا دور نہیں
 بولی ماں ہو گئے آزرده میں واری بیٹا
 گلہ آمیز یہ باتیں ہیں تمھاری بیٹا
 باپ پیارا ہے تمھیں ماں نہیں پیاری بیٹا
 دھیان اپنا ہے نہیں فکر ہماری بیٹا
 پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
 پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو
 علی اکبر مری محنت کی طرف دھیان کرو
 اماں واری مری بستی کو نہ دیران کرو
 چھوڑ کر ماں کو نہ تم کوچ کا سامان کرو
 پھر فدا ہو جیو پہلے مجھے قربان کرو
 مرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹا
 اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھالو بیٹا
 ماں کی تقریر سے مایوس ہوئے جب اکبر
 اشک آنکھوں سے بہے چاند سے رخساروں پر
 رکھ دی تلوار لگے کھولنے ہاتھوں سے کمر
 بانو گھبرا گئی ٹکڑے ہوا زینب کا جگر
 لے کے بیٹے کی بلائیں کہا کیوں روتے ہو
 نہیں روکوں گی میں کاہے کو خفا ہوتے ہو

روکے کہنے لگے بیٹے سے امام خوشخو ماں تو دیتی ہے رضائن کی تم آزرده نہ ہو
پھر کہا بانو سے اب مرنے کی رخصت انھیں دو تھا مقدر میں یہی صبر کرو شکر کرو

یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجا میرا

آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تم نے اٹھارہ برس کھینچے ہیں گورنج و تعب بانو پر خواہش تقدیر سے ناچار ہیں سب
اس کا میں کون ہوں تم کون ہو جو مرضی رب زور کیا جس کی امانت تھی وہ کرتا ہے طلب

اب نہیں جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے

خلق میں داغ دکھانے کو ہمیں آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانو نے کہا یہ رو کر کیوں کمر کھولتے ہو غصے سے صدقے مادر
ماں سے چلتے ہوئے آزرده نہ جاؤ اکبر خیر جو مرضی ہے اچھا کرو دنیا سے سفر

اب تو راضی ہوے مادر سے میں واری بیٹا

آگے آؤ کہ بلائیں لوں تمھاری بیٹا

سن کے ماں سے یہ سخن قدموں پہ فرزند گرا عرض کی آپ سے روٹھوں مرا مقدور ہے کیا
ماں نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا جاؤ رخصت بھی کیا دودھ بھی تم کو بخشا

غم نہ کھانا کہ یہ ماں رو رو کے مر جائے گی

ساتھ دو باپ کا ماں کی بھی گزر جائے گی

۱۶-۳۱ صفحہ ۱۱۲-۱۱۳ جلد ۱

مطلع: مومنو مرنے کو ہم شکل نبی جاتا ہے

امام حسین کی رخصت حضرت سیکندہ حضرت بانو حضرت زینب سے

سر بار دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن اب عنقریب خیمہ عصمت ہیں تیغ زن
مردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن پامال ہو نہ لاشہ فرزند صف شکن

محبوب ہم ہیں قاسم بے پر کی روح سے

شرمندگی نہ ہو علی اکبر کی روح سے

یہ سن کے بیبیوں کے جگر پر چھری چلی زینب زمیں پہ گر کے پکاری کہ یا علی

سرخفی جہاں کے ہیں سب آپ پر جلی جاتا ہے ظالموں میں یہ کونین کا ولی
 بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
 آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو فرزند فاطمہ کی بلاؤں کو رد کرو
 دریا کو چھین لو حق زہرا سند کرو یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو
 پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر میں
 حصہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں

یا مصطفیٰ بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال
 یا فاطمہ میں لٹتی ہوں بکھراؤ سر کے بال یارب الٹ دے آج یہ سب عرصہ قتال
 پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہوں
 بھائی کو اپنے لے کے میں جنگل میں جا رہوں

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیے تمھیں خالق کی یاد سرو علن چاہیے تمھیں
 لب پر رضا رضا کا خن چاہیے تمھیں جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھیں
 ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
 شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا

درد شکم سے لوٹی تمھیں وہ نکو خصال ٹوٹی ہیں پسلیاں یہ ہمیں بھی نہ تھا خیال
 پوچھا کسی نے جب تو کہا شکر ذوالجلال بازو کے نیل کا تو کھلا وقت غسل حال
 رونے میں دن تڑپنے میں راتیں گزر گئیں
 بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں

ظاہر ہیں جو علی پہ کیے ظالموں نے جبر اس غم سے تھا نہ چین نبی کو میان قبر
 حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثل ابر لیکن کبھی سنا کوئی کلمہ سوائے صبر
 ہم کیا ہیں چیز ہاتھ بندھے یا گلا بندھے
 جب ریسماں سے گردن مشکل کشا بندھے

عزت گزریں تھے بعد علی قبلہ دوم اس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ اب نہ ام

مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے حواس گم ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں رو رہی تھیں تم

بعد از فنا بھی درپے ایذا شریر تھے

فرزند فاطمہ کے جنازے پہ تیر تھے

ہیں مورد بلا و مصیبت ازل سے ہم اس غمکدے میں چین سے گزرا نہ ایک دم

غم ہے ہمارے واسطے ہم ہیں براے غم سب اپنے اپنے عہد میں سہہ سہہ گئے ستم

اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہے

بعد ان بزرگواریوں کے باری ہماری ہے

سچ ہے کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن کیا کچے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن

پیارے تمہارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن

بھولے نہ یاد حق کبھی گو حال غیر ہو

اس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بنجر ہو

کیا کرتیں تم بہن اجل آتی وطن میں گر یکساں ہے مرنے والوں کو جنگل ہو یا کہ گھر

درپیش ہے سفر میں ہمیں خلق سے سفر اب آرزو یہ ہے کہ کٹے تن سے جلد سر

ہر دکھ میں خوش ہیں وہ جنہیں الفت خدا کی ہے

میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا ادھر ادھر پوچھا کدھر ہیں بانوے ناشاد و نوحہ گر

فضہ نے عرض کی کہ ادھر چپٹی ہیں سر رخصت کی بھی حضور کی ان کو نہیں خبر

لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہے

چلے ذرا کہ کام اب ان کا تمام ہے

رکھی تھی لاکے لاش پر آپ نے جہاں منہ اس زمیں پہ ملتی ہیں اور ہے لبوں پہ جاں

کرتی ہیں اٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان نعرہ یہ ہے کہ ہاے مرا شیر نو جوان

واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے

جنگل بسا دیا مری بستی اجاڑ کے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوشخصال دیکھا کہ غش ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال

شبیر بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال اے شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال

سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں

صاحب اٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

سن کر صدا حسین کی چونکی وہ نوحہ گر کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر

تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر صاحب کہاں ہے منتوں والا مرا پسر

ایسے نہیں جو دکھ میں جدا ہوں وہ باپ سے

اپنے مرادوں والے کو لوں گی میں آپ سے

اے جان فاطمہ مرا پیارا کدھر گیا اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا

وہ تین دن کی پیاس کا مارا کدھر گیا سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کدھر گیا

مرتی ہوں اپنے سرو سہی قد کو دیکھ لوں

اک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لوں

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائیں پھر لے لوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر

مجھ کو تو خیریت سے غرض ہے نہ آئیں پھر خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جنگل بسائیں پھر

تڑپے گا دل تو لے کے اجازت حضور سے

میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے

بہنو دتھی میں جب آئے تھے میداں سے وہ ادھر کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر

سنجھلا جو دل ذرا تو پھڑکنے لگا جگر کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر

آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے

باتیں نہ پیار کی ہوئیں نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہیں خفا تو آئیں میں اٹھ کر نثار ہوں ان کی خطا نہیں ہے میں تقصیر دار ہوں

دائی ہوں ان کی آپ کی خدمت گزار ہوں اب رحم کیجئے کہ بہت شرمسار ہوں

تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو

لے آئیے منا کے مرے نور عین کو

باتیں یہ سن کے کہنے لگے شاہ بحر و بر یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر

بانو کے بلاؤں کہاں ہے وہ سبیر ہمشکل مصطفیٰ تو گئے فاطمہ کے گھر

ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں

جس نے تمہیں دیا تھا وہ اب اس کے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آگئی انھیں ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی انھیں

مخفی بہت کیا پہ اجل پاگئی انھیں صحراے کربلا کی فضا بھاگئی انھیں

زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤگی

بانو کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤگی

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہے وہ لالہ فام دے دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام

سن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام

خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے

بستی اجر کے تحت اٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار اے ابن فاطمہ یہ کنیز آپ پر نثار

بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار بیٹھے کہاں یہ بیکس و مظلوم و سوگوار

کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائے

صاحب کوئی جگہ مجھے بتلا کے جائے

میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام مشہور ہوں کنیز امام فلک مقام

پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلہ انام گر قید ہوگئی تو کہیں گے یہ خاص و عام

بندی چلی ہے شام کو آل رسول کی

دیکھو یہی بہو ہے علی و بتول کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال زہرا کی بیٹیوں کی رہو تم شریک حال

زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال صاحب تمہارے ساتھ ہے عابد سا خوشحال

بے وارثوں کا وارث و والی الہ ہے

دیکھو ڈگیں نہ پاؤں کہ مشکل یہ راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آکے رویو لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلا کے رویو

زانو پہ سر کو شرم سے مہوڑا کے رویو قبر رسول پاک پہ ہاں جا کے رویو

لٹنے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے
 رونا بشر کو خوف الہی میں چاہیے
 یہ سن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے سیدانیاں لپٹ گئیں زہرا کے ماہ سے
 ٹھہرا گیا نہ پھر شہ عالم پناہ سے نکلے حسین روتے ہوئے خیمہ گاہ سے
 چوتھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا
 خورشید شمع حسن کا پروانہ بن گیا

۱۲-۴۹ صفحہ ۱۲۰-۱۲۲ جلد ۳

مطلع: جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا

سب عزیزوں سے حضرت فاطمہ صغرا کی رخصت

باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہ بحر و بر آئے دیکھا رخ ہمیشہ کو اور اشک بہائے
 ماں بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے روتے ہوئے تشریف شہ دیں وہیں لائے
 بیٹی شہ ذبیحہ کی تعظیم کو اٹھی
 بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اٹھی
 جلد اس کے قریب آ کے یہ کہنے لگے حضرت بیٹھو کہ ابھی اٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
 اک ضعف کی تصویر ہوا تنی ہے نقاہت کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
 تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغرا
 بیہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا
 صحت تمہیں دے حق یہی بابا کی دعا ہے اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
 اب بادیہ پیکائی ہے ایذا ہے بلا ہے کیا جانے شبیر کی تقدیر میں کیا ہے
 دل جلتا ہے جب تپ میں تمہیں پاتا ہوں صغرا
 اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغرا
 ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
 کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار سب زرد ہے ازمان حرارت سے تن زار

چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
 سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا
 دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
 بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیونکر
 گھر میں تمہیں پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
 پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر
 تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
 شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
 گھر میں تمہیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا
 لے جاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمہارا
 بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا
 مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا
 فرقت میں سوا نالہ و فریاد کروں گا
 اتروں گا جو منزل پہ تمہیں یاد کروں گا
 صفرا نے کہا آپ کی الفت کے میں قربان
 پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیان
 صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائے گا سامان
 مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان
 جس پر نظر لطف مسیح دوسرا ہو
 برسوں کا ہو بیمار تو اک دم میں شفا ہو
 قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
 تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت
 بستر سے میں خود اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
 پانی کی بھی خواہش ہے غذا پر بھی ہے رغبت
 حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
 اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے
 کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
 سب سہل ہے کچھ مجھ کو نہیں ہونے کی ایذا
 پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سید والا
 میں خانہ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
 اب روح مری جسم میں گھبراتی ہے بابا
 ان باتوں سے کچھ بوے فراق آتی ہے بابا
 مر جاؤں گی پچھڑی جو مسیح دوسرا سے
 صحت مجھے ہو جائے گی حضرت کی دعا سے
 کٹ جائے گا اندوہ سفر فضل خدا سے
 بیمار میں جان آئے گی جنگل کی ہوا سے

سب ساتھ ہیں روؤں کی نہ غم کھاؤں گی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہیں آگاہ مجبور نکلتا ہوں میں اس شہر سے واللہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ بیمار ہو کس طرح سے لے جاؤں تمہیں آہ
آزار رسیدہ ہوں گرفتار بلا ہوں

گھر چھوڑ کے جلادوں کی سرحد میں چلا ہوں

وہ صعب پہاڑوں کا سفر اور وہ کڑے کوس دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس ہوتا نہیں جز خار کوئی آکے قدم بوس
آرام کہیں راہ میں جانی نہیں ملتا

جنگل ہیں وہ پر ہول کہ پانی نہیں ملتا

تھوڑے ہی دنوں ہوئے گی کنبے سے جدائی پردیس سے آکر تمہیں لے جائیں گے بھائی
کی مجھ سے نہ گرکونے کی خلقت نے برائی ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفا کی

خوش ہوں گا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی

مرجاؤں گا جب میں تو نہ کیا صبر کروگی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر میں بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدہ تر میں صدے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اس کو

کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اس کو

تھراتی ہوئی اٹھ کے گری شہ کے قدم پر کی عرض کہ مرجاؤں گی یا سبط پیمبر
تنہائی میں بابا مرا دل بہلے گا کیونکر سب بیٹیاں ہیں کیا میں نہیں آپ کی دختر

بے آپ کے اس گھر میں نہ یا شاہ رہوں گی

اچھا میں کنیزوں ہی کے ہمراہ رہوں گی

سب رونے لگے سن کے یہ بیمار کی تقریر چلائی سیکنہ کہ میں صدقے مری ہمیشہ
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیر تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوے دلگیر

کم سن ہیں مسافر مجھے تشویش بڑی ہے

دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس ماں کی تو چھاتی امنڈ آئی چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جانی
 زینب نے کہا گھر سے نکلنا ہے یہ بھائی مرجانے سے کچھ کم نہیں صغرا کی جدائی
 گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
 پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانے کیا ہو
 آغاز سفر میں تو یہ ماتم ہے یہ کہرام کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
 جنگل ہو کہ بستی ہو کہاں راحت و آرام ماں روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
 بستی بھی ہے جنگل جو کلیجا نہ ہو بر میں
 بھولے گی وہ چھوڑیں گے اکیلا جسے گھر میں
 صغرا نے کہا آپ کی باتوں کے میں قربان تم جان بچالو کہ میں لونڈی ہوں پھوپھی جان
 بیٹی ہو علی کی مری مشکل کر و آسان جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
 کچھ بات بجز گریہ و زاری نہیں کرتیں
 اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں
 پیاری جو ہیں دو بیٹیاں وہ جائیں گی ہمراہ کیا انس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
 بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
 بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کریں گے
 میں قبر میں جب ہوں گی تو سب یاد کریں گے
 کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
 زندہ ہوں پہ مردے کی طرح ہو گئی دشوار کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کون سا آزار
 حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
 وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا
 وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہ ہوا ہائے
 اس راہ میں ہمراہ کنیریں تو ہوں اے وائے کنبے کی ہو جو چاہنے والی وہی رہ جائے
 بیماری مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
 تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اتر جائے گی یہ تب ہاں درد بھی اب سر میں مرے ہوگا نہیں اب
 تڑپوں کی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
 کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
 غم کھانے سے آجائے گی طاقت مرے تن میں

کھوئے گا بیوست کو بھی راتوں کا نہ سونا تفریح مجھے بخشے گا منہ اشکوں سے دھونا
 تسکین ہے بالیس پہ عزیزوں کا نہ ہونا تنقیہ کامل ہے مرے واسطے رونا
 راحت سے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا

فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
 تڑپوں کی نہ فرقت میں امام دو جہاں کی شفقت مجھے یاد آئے گی بہنوں کی نہ ماں کی
 فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
 میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہیں کروں کس کی شکایت بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
 چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت بولیں نہ پھوپھی جان بھی کچھ واہ ری قسمت
 فرقت کا الم میرے کلیجے کو چھری ہے

سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بری ہے

عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے میں داری دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
 قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریہ و زاری میں کون سیکنہ ہے چچا جان کو پیاری
 اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے

مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے

اس وقت محبت مری ہو جائے گی حالی جب راہ میں خط پڑھ کے کہیں گے شہ عالی
 لو مرگئی کنبے کی جو تھی چاہنے والی آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہو گیا خالی
 قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر میں
 وہ قبر میں سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر میں

پھر ہم نہیں ملنے کے کوئی لاکھ ہو جو یا سب رو کے کہیں گے کہ اسے ہاتھ سے کھویا
 عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر میں سویا کیا نفع اسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا
 پر سے کے لیے جمع ہوئے لوگ تو پھر کیا
 پردیس میں کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا
 یاں ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبر سرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رخ انور
 چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر اس سینے کے ان ہاتھوں کے قربان ہو خواہر
 فریاد ہے بے موت بہن مرنی ہے بھائی
 تقدیر ہمیں تم سے جدا کرتی ہے بھائی
 بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ وہ دن ہو کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ
 ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمیں پاؤ صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کیے جاؤ
 عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
 اب بیاہ میں مجھ کو نہ بھلا دیجیو بھائی
 وہ دن ہوں کہ بوٹا سی تمھاری دلھن آئے جلدی کہیں یا حضرت باری دلھن آئے
 سب پھولوں کے گہنے میں سنواری دلھن آئے تم جیسے ہو بس ویسی ہی پیاری دلھن آئے
 ہمشیر کو تربت میں نہ ترسائیو بھائی
 بھابھی کو مری قبر پہ لے آئیو بھائی
 رونے کا ادھر غل تھا کہ فضلہ یہ پکاری تیار ہے ناموس محمد کی سواری
 دراوڑے کے نزدیک ہے زینب کی سواری کیا دیر ہے اب آئے ید اللہ کی پیاری
 ہر بار قاتلوں کے قریب آتے ہیں عباس
 اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباس
 شبیر نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صفرا جلد آتے ہیں یا خود تمھیں بلواتے ہیں صفرا
 ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صفرا جان اپنی نہ کھونا تمھیں سمجھاتے ہیں صفرا
 قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجو
 بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجو
 بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلہ عالم ناموس محمد بھی چلے ساتھ بہ صد غم
 صفرا بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم ہمسائیاں باندھے ہوئے تھیں حلقہ ماتم

راحت تھی جو سب کو شہ ذیجاہ کے دم سے
اک ہٹی تھی اور ایک لپٹی تھی قدم سے

غل تھا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر رائدوں کے مددگار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر محتاجوں کے غمخوار خدا حافظ و ناصر

دکھ فاقوں کے غربت کے الم کس سے کہیں گے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہیں گے

شہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے سب کا انسان کی کیا آس بھروسہ ہے تو رب کا
ساماں ہے کبھی غم کا کبھی عیش و طرب کا مضطر نہیں فرزند شہشاہ عرب کا

مانگو یہ دعا خیر سے وہ وقت بسر ہو
جس روز کہ شبیر کا دنیا سے سفر ہو

یہ کہہ کے برآمد ہوا وہ خلق کا والی ناقوں پہ چڑھے سب حرم سید عالی
احباب تڑپتے تھے بلکتے تھے موالی غل تھا کہ محمدؐ کا بھرا گھر ہوا خالی

یوں روتے تھے سب گرد حسین ابن علی کے
جس طرح کہ ماتم تھا جنازے پہ نبی کے

صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار اٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار
جس ناتے پہ تھی بانوئے ناشاد و دل افکار اس ناتے کے پاس آ کے یہ چلائی وہ بیمار

قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سن کر یہ سخن بانوئے بے پر پردے سے جگر بند کا منہ کر دیا باہر
بٹی سے کہا دست پر ماتھے پہ رکھ کر لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغر

منہ زرد ہے رخساروں پہ آنسو بھی بہے ہیں
یہ زرگی آنکھوں سے تنہیں دیکھ رہے ہیں

تھراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر وہ پکاری اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے میں واری
آخر کوئی دن میں ہے بس اب موت ہماری بھیا نہیں جینے کی میں فرقت میں تمھاری

جب آ کے پھر اس جھولے کو آباد کر دے
 تم بھی مری گودی کو بہت یاد کر دے
 عباس سے شہ نے کہا اے ثانی حیدر مرجائے گی اب فاطمہ صغرا مری دختر
 جمالوں سے کہہ دو کہ بڑھیں اونٹوں کو لے کر اسواریوں کے ساتھ رہیں قاسم و اکبر
 احباب جو روتے ہیں تو غم کھاتے ہیں ہم بھی
 سب شہر کے ناکے پہ تھمیں آتے ہیں ہم بھی
 یہ سنتے ہی ناکے تو روانہ ہوئے اک بار غش کھا کے گری خاک پہ صغرا جگر افکار
 گھر پر اسے پہنچا کے چلے سید ابرار غل شہر میں تھا ہاے دو عالم کے مددگار
 روتے تھے مجاور جو نواسے کو نبی کے
 اک حشر تھا روضے پہ رسول عربی کے

۲۳-۶۷ صفحہ ۸۳-۸۸ جلد ۲

مطلع: کنعان محمد کے حسینوں کا سفر ہے



۱۵۔ سراپا

مرثیے میں سراپا لکھنے کا طریقہ میر ضمیر نے نکالا تھا لیکن اس میں لفظی رعایتوں کی کثرت اور تصنع اس قدر ہوتا تھا کہ مذاق سلیم اس کو صحیح شاعری کے دائرے سے خارج سمجھتا ہے۔ انیس نے ابتدا میں مرثیے کا وہی خاکہ اختیار کیا تھا جو میر ضمیر نے بنایا تھا لیکن جب مشاقی اور شاعری نے ترقی کی تو انھوں نے اس خاکہ میں اپنے مذاق کے موافق کچھ تبدیلیاں کر لیں۔ ان کے ابتدائی مرثیوں میں سراپا ملتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ پسند عام کے خیال سے سراپا کہتے تھے چنانچہ کہتے ہیں:

ہے عام کو مقبول بہت وصف سراپا حیراں ہے مگر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلاً جو شے ہے سراپائے شہ دیں میں سو یکتا
خورشید جُمل رخ سے قمر اس کف پا سے
کس شے کو مقابل میں کروں نور خدا سے

بند ۴۲۔ صفحہ ۱۹۹ ج ۳

مطلع: جب رو چکے حضرت علی اکبر سے پسر کو

عوام میں سراپا بہت مقبول تھا لیکن خود انیس کو پسند نہ تھا۔ ابتدا میں تو وہ مذاق عام کی پابندی کرتے رہے لیکن جب مذاق میں پختگی اور رائے میں مضبوطی اور آزادی پیدا ہو گئی تو انھوں نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ سراپا چونکہ عوام میں مقبول ہے اس لیے میں کہتا ہوں لیکن جب استاد کی مرتبہ اور اجتہاد کا حق مسلم ہو گیا تو سراپا کہنا ترک کر دیا۔ حضرت عباس کا سراپا:
آتی ہے شائے در دندان جو زباں پر تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر

ہیرے کے نگینے ان سے ہوں کس طرح برابر یہ بحر شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر

ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہے عکس ان کا فلک پر

بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانوں کی چمک پر

دل کس کا نہ گردن کی صفائی پہ ہو قربان مہتاب کو ہے جس سے گلے ملنے کا ارمان

گویا کہ ہلال شب اول ہے گریبان شانوں کی نشان اسد حق کے ہے کیا شان

حیراں ہے نظر دوش مبارک پہ کہاں ہے

یا قوس میں خورشید جہانتاب عیاں ہے

ہیں بازوے عباس کہ شاخ شجر حسن پڑتی ہے سدا نور پہ جن کے نظر حسن

گھر حسن کا سینہ ہے تو بازو ہیں در حسن طالع ہے کف دست سے مہر حسن

ان ہاتھوں سے ہمدست کف حور نہیں ہے

خورشید کے پنچے میں بھی یہ نور نہیں ہے

ہر چیز علمدار نے پائی ہے علی کی اللہ نے تصویر بنائی ہے علی کی

پنچہ ہے علی کا تو کلائی ہے علی کی ان انگلیوں میں عقدہ کشائی ہے علی کی

ورثہ میں ہے زور ان کو ملا جدو پدر سے

ہلکا در خیبر کو سمجھتے ہیں سپر سے

دیکھو تو کسی شیر نے پایا ہے یہ سینہ حصے میں اسی چاند کے آیا ہے یہ سینہ

حق نے یہ قدرت سے بنایا ہے یہ سینہ سینے سے یہ اللہ نے لگایا ہے یہ سینہ

فرماتے تھے عاشق ہوں میں اس رشک قمر کا

یہ سینہ سپر ہووے گا زہرا کے سپر کا

ہے تا بہ عدم ذہن رسا دوڑ کے جاتا لیکن کہیں مضمون کمر کو نہیں پاتا

ہے بال سیہ در نجف میں نظر آتا مثل رگ گل تاب نزاکت نہیں لاتا

اس رشتے سے محکم کمر مرتضوی ہے

نازک تو ہے پر دیں کی کمر اس سے قوی ہے

شمشاد سے بالا قد بالاے مبارک در پیش ہے اب وصف قدم ہائے مبارک

تعوید شفا نقش کف پائے مبارک جس جا گزران کا ہو وہ ہے جاے مبارک
 واں آتے ہیں سجدے کو ملک عرش بریں کے
 احساں یہ انھیں پاؤں کے ہیں سر پہ زمیں کے
 ہر شخص تھا محو رخ عباس فلک جاہ تھا شور فلک پر کہ زمیں کا ہے یہی ماہ
 ہر لب پہ سخن تھا کہ زہے قدرت اللہ ہر چشم یہ کہتی تھی کہ جلوہ ہے عجب واہ
 غازی تھا جہاں پتلیاں مردم کی ادھر تھیں
 حوریں بھی درپچوں سے نکالے ہوئے سر تھیں

۵۹-۶۹ صفحہ ۲۷۸-۲۷۷ جلد ۱



کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
 قطرہ کہاں کہاں صفت قلم کرم مور ضعیف و مدح سلیمان ذی حشم
 یاں سب تعلیاں شعرا کی فضول ہیں
 بس خاتمہ ہوا کہ شبیہ رسول ہیں

۶۸ صفحہ ۲۵۰ جلد ۱

مشاقی کے زمانے میں انیس نے مقررہ شکل کا سراپا تو نہیں کہا لیکن لوگوں کی صورت
 شکل قد و قامت وغیرہ کا بیان نہایت ہی خوبصورت اور پراثر انداز میں اکثر کیا ہے۔ مثلاً یہ
 بند

وہ روئے دل فروز وہ زلفوں کا بیچ و تاب گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
 ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب آنکھیں وہ جن سے زگس فردوس کو حجاب
 پتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں
 بیٹھا ہے شیر پنجوں کو ٹیکے ترائی میں
 حضرت علی اکبر کا سراپا پرانے انداز میں:

پیدا ہے زلف و روئے منور سے شان رب نکلا ہے آفتاب میان سواد شب
 یہ لطف روز عید و شب قدر میں ہے کب ہے دو طرف تو چین و خناج میں حلب

رستہ نہ بھول جائے مسافر ہجوم میں
 اک شب کا فاصلہ ہے فقط شام و روم میں
 معراج مصطفیٰ کی یہ شب ہے تو وہ سحر زیبا ہے اس کو کہئے اندھیرے کا چاند اگر
 ہے زلف و رخ مفسر واللیل و القمر اے خضر ہاں ظفر کا وسیلہ ہے یہ سفر
 دن جس کا ہے سعید مبارک وہ رات ہے
 ظلمت کو طے کیا تو پھر آب حیات ہے
 پہلو میں دن کے رات زہے شان کار ساز یوسف جو دیکھ لے تو جھکائے سر نیاز
 افزوں ہے سب سے رونق دین شہ حجاز زیبا ہے گورے رخ پہ غضب گیسوے دراز
 اب تو نظر پہ یہ شب معراج چڑھ گئی
 حیرت ہے دن تو کم نہ ہوا رات بڑھ گئی
 کیوں زلف کی شامیں الجھتے ہیں موشگاف سلجھا ہوا بیاں ہے تو مضمون ہے صاف صاف
 تعقید سر بسر ہے فصاحت کے برخلاف باریک اس ختن کی ہیں راہیں خطا معاف
 فکریں رسا ہیں جن کی یہاں وہ بھی پہنچ ہیں
 رستہ تو بال بھر کا ہے اور لاکھ پہنچ ہیں
 وہ خود فرق پاک پہ وہ چاند سی جہیں پر تو سے جس کے غیرت مہتاب سب زمیں
 قراں کی موج مطلع نور آفتاب دیں آئینہ حلب ید بیضا مہ مہیں
 اس کو جو اس جہیں کے برابر نہ دیکھتا
 پھر اپنے آئینے کو سکندر نہ دیکھتا
 ابرو ہیں یا کھنچی ہوئی شمشیر تیز دم صانع نے ایک لوح پہ رکھے ہیں دو قلم
 پایا بھلا کمان کیانی نے کب یہ خم کیا متصل ہے گوشے سے گوشہ زہے حشم
 مدت کھنچے تو پھر کشش ان کی بیاں نہ ہو
 قرباں ہو لاکھ بار تو خاطر نشاں نہ ہو
 خمدار وہ بھویں وہ جبین قمر مثال تابندہ ایک چاند کے پیچھے ہیں دو ہلال
 مطلع ہے صاف غور سے بینا کریں خیال نقطہ ہے نور حسن کا ابرو پہ جو ہے خال

خوبی میں وہ تو یہ ہمہ تن لا جواب ہے

دیوان حسن میں یہی بیت انتخاب ہے

ہے آسمان حسن و شرف یہ فلک جناب ابرو ہیں دو ہلال تو پیشانی آفتاب

منظور شمسی و قمری کا ہو گر حساب ہاں دیکھ لیں رخ خلف ابن بو تراب

باریک ہیں سمجھ گئے مطلب انیس کا

انیس کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس کا

مانند شانہ گر ہمہ تن ہو کوئی زباں تو بھی مژہ کا وصف سر مونہ ہو بیاں

قربان حسن صنعت خلاق انس و جاں پردہ ہے بہر چشم کبھی گاہ سائبان

موے نگین در شمین نجف یہ ہے

آنکھوں پہ جس کو رکھتے ہیں مردم شرف یہ ہے

اس چشم کو وہی کہے زگس جو ہے بصیر پیش نظر یہ دیدہ حق ہیں ہے بے نظیر

کیوں ہرزہ گرد ہو کے نگاہوں میں ہوں حقیر یہ عین مردی ہے کہ مردم ہیں گوشہ گیر

اس نور کے مکاں سے نکلتا فضول ہے

گھر بیٹھے ان کو سیر دو عالم حصول ہے

دکھلاتی ہے بیاض سواد ان کی شان رب دن کے قریب صبح سحر کے قریب شب

پائی کسی ہرن نے یہ چشم سیاہ کب پیدا ہے ان سے عین علی کا جلال سب

دیکھیں جو رعب شیر نیستاں غزال ہوں

دنیا ہو غرق خوں جو یہ غصے سے لال ہوں

بیمار کہتے ہیں شعرا چشم کو جو سب صحت میں اس کی شک ہے غلط ہو تو کیا عجب

دارالشفایہ خود ہیں پے بندگان رب دیدان کی ہر مریض کی صحت کا ہے سبب

چشمک ہے ان کو عیسیٰ گردوں پناہ سے

مردے جلا دیے ہیں کرم کی نگاہ سے

آنکھیں وہ زگسی جنہیں دیکھے سے ہو سرور روشن میان کعبہ ہیں یادو چراغ طور

یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغر طہور

حق ہیں ہیں حق شناس ہیں یزداں پرست ہیں

ہشیار کیوں نہ ہوں مے عرفاں سے مست ہیں

ضیغم نظر ہیں صاحب رعب و جلال ہیں ہاں شیران کے غیظ کے آگے غزال ہیں

یہ نشہ رقیق جوانی سے لال ہیں ساحر بھی ہیں تو ساحر سحر حلال ہیں

پتلی نہیں یہ چشم سیہ کے حجاب ہیں

پنہاں ہے روئے حضرت یوسف نقاب ہیں

جاگی ہیں رات کی تو نقاہت ہے آشکار ڈورے جو سرخ ہیں تو یہ ہے نیند کا خمار

مستانہ ہے یہ طور کہ جھکتی ہیں بار بار آنسو ہیں یہ صدف میں ہیں یا در شاہوار

روئی ہیں فرقت شہ عالی جناب میں

زرگس کے پھول تیر رہے ہیں گلاب میں

رخسار کو قمر جو کہوں اس میں داغ ہے خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے

ذروں کو سر چڑھائے یہ کس کا دماغ ہے وہ گل ہیں جن کے ذکر سے دل باغ باغ ہے

دنیا میں کوئی شے نہیں اس آب و تاب کی

رنگت ہے سیوتی کی تو خوشبو گلاب کی

گل سرخ رو ہوا نہ کبھو ان کے سامنے مخفی چمن کا روئے نکو ان کے سامنے

بیرنگ ہے گلاب کی بو ان کے سامنے باغ بہشت ساختہ رو ان کے سامنے

خوشبو سے عطر بیز ہیں پردے دماغ کے

تازہ یہ دونوں پھول ہیں زہرا کے باغ کے

آیا لبوں کا ذکر بس اب ناطقہ ہے بند ہے بے نمک یہ بات کہوں گر نبات و قد

کیا لطف گر مزا نہ اٹھائیں سخن پسند خود ہر سخن سے ان کے فصاحت ہے بہرہ مند

اعجاز ہے زبان بلاغت نظام میں

قرآن کی صاف شان ہے ان کے کلام میں

مشکل ہے وصف گوہر دندان بے مثال غواص بحر حسن دکھا آپ کچھ کمال

اس مدح میں صلے کے جو ملنے کا ہے خیال بھردے گا موتیوں سے دہن فاطمہ کا لال

قبضے میں آسماں کے خزانے زمیں کے گنج
ہنس ہنس کے یہ لٹاتے ہیں درثمیں کے گنج

اعجاز دونوں ہاتھوں میں مشکل کشا کا ہے زور ان کلائیوں میں شہرہ لا فتا کا ہے
گھر بازوؤں میں قوت خیر الورا کا ہے سینہ نہ جانیو یہ خزانہ خدا کا ہے
کیوں شور ہو نہ ان کے قدم کے ثبات کا
جس سے تھا ہوا ہے سفینہ نجات کا

۸۳-۱۰۲ صفحہ ۲۳۶-۲۳۸ جلد ۲

”میر صاحب مرثیوں میں سراپا اکثر کہا کرتے تھے اور زمانہ قدیم سے شعرا میں اس کا التزام چلا آتا تھا..... پھر خود ہی کچھ متنبہ ہوئے اور دست و بازو، چشم و ابرو و شان و شوکت و دبدبہ و شجاعت کے ذکر پر اختصار کرنے لگے اور اپنے تلامذہ کو بھی روک دیا۔ سمجھ گئے کہ مرثیے میں سراپا کتنا بے محل ہے۔ اس فن میں یہ اصلاح میر انیس ہی نے کی ہے۔“

(طباطبائی۔ مرثی انیس جلد دوم۔ خاتمہ صفحہ ۵۲۰)

امیر علی خاں ہلال لکھنوی شاگرد رشک نے ایک سراپا لکھا تھا (نخن شعراء صفحہ ۵۶۱)۔
اس سراپا کی تاریخ تصنیف اس شعر سے نکلتی ہے۔

یہ تاریخ آغاز اشعار کی ہے

سراپا یہ تصویر دلدار کی ہے

۱۲۶۹ھ - سراپا نخن صفحہ ۳۳

انیس:

ابرو کو کہاں کہتے ہیں اس فہم کے قربان ابرو بھی جگر گوشہ حیدر کے زہے شان

زیبا غزل و شعر میں ہے وصف خدو خال ہاں دیکھ کیت قلم اچھی نہیں یہ چال



۱۶۔ رجز

انیس ہر شخص کا رجز اسی کے حسب حال لکھتے ہیں۔ امام حسین کے رجز میں اول تو پہلوانی اور زور آوری کا ذکر ہی بہت کم ہوتا ہے بلکہ ان کے دوسرے شرفوں اور فضیلتوں کا اظہار ہوتا ہے اور جہاں زور و طاقت کا ذکر ہوتا بھی ہے وہاں ایک خاص متانت و وقار سے ہوتا ہے۔ جو اس کو محض ایک ماہر فن جنگ سپاہی کے رجز سے الگ کر دیتا ہے۔ امام حسین کا رجز۔

فرما کے یہ فرس سے اشارہ کیا کہ ہاں کوندا مثال برق کیت سبک عنان
وہ غیظ وہ رجز وہ جلال و شکوہ و شاں تھی دمبدم وہ سیف زبانی کہ الامان
دونوں زبانیں تیغ کی بھی شعلہ ریز تھیں
ہیتیں رجز کی تیغ دو دم سے بھی تیز تھیں
بخشا ہے مجھ کو حق نے شہ لافتا کا زور اس دست مرتعش میں ہے دست خدا کا زور
ہے انگلیوں کے بند میں خیبر کشا کا زور پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور
الٹوں فلک کو یوں جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا
آگے بڑھوں جو تیر کو چلے میں جوڑ کے بھاگیں خطا شعار کمانوں کو چھوڑ کے
بیکار کردوں شیر کا پنچہ مڑوڑ کے پٹکوں زمین پر در خیبر کو توڑ کے
الٹوں طبق زمین کے یوں جھک کے زین سے
جس طرح جھاڑ دیتے ہیں گرد آستین سے

اعلیٰ ہے عرش سے بھی مری ہمت بلند بجلی ابھی گرے جو بڑھوں چھیڑ کر سمند
 رستم ہے ذوالفقار کی دہشت سے درد مند کھلتا نہیں ہے دیو سے نیزے کا میرے بند
 یہ جس شقی کے سینے سے گزرا وہ فوت ہے
 اس کی سان تیز سر انگشت موت ہے
 دنیا ہواک طرف تو لڑائی کو سر کروں آئے غضب خدا کا ادھر رخ جدھر کروں
 بے جبریل کار قضا و قدر کروں انگلی کے اک اشارے میں شق القمر کروں
 طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی
 رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی
 یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر جب ہاتھ اٹھا ہے برق گری ہے زمین پر
 خیبر میں کیا گزر گئی روح الامین پر کائے ہیں کس کی تیغ دو پیکر نے تین پر
 جس وقت ضرب شیر خدا یاد آتی ہے
 ماہی سمیت گاؤں زمیں تھر تھراتی ہے

حبیب ابن مظاہر:

میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار دیکھا ہے محمد کا انھیں آنکھوں سے دربار
 چوما کیا اکثر قدم حیدر کرار زہرا کی نوازش رہی شہر نے کیا پیار
 بچپن سے مجھے عشق امام دو جہاں ہے
 اب ساتھ ہے شبیر کا اور سیر جہاں ہے
 پیری سے ہے روشن کہ چراغ سحری ہوں دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
 آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں دیندار ہوں غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں
 بے خوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر
 دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر



۷۱۔ تلوار

تلوار کی تعریف سے بالعموم تلوار کے چلنے کا بیان مراد ہوتا ہے جو حقیقت میں تلوار چلانے والے کی تعریف ہوتی ہے۔ انیس نے تیغ زنی کے کمالات وغیرہ کا ذکر بھی خوب کیا ہے لیکن انھوں نے صحیح معنی میں تلوار کی تعریف بھی کی ہے۔ مثلاً

اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے

شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

تلوار کے مضامین اردو مرثیے کے خصوصیات میں سے ہیں اور شاہنامہ اور سکندر نامہ میں بھی موجود نہیں ہیں۔

باہر ہوئی نیام سے شمشیر شعلہ بار یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بے قرار

یا کیچلی کو جھاڑ کے نکلا سیاہ مار یا آستین سے ید بیضا تھا آشکار

نکلی عروس فتح محافہ جدا ہوا

یا نامہ ظفر سے لفافہ جدا ہوا

۸۴ صفحہ ۱۶۲ جلد ۳

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا جیسے کنار شوق سے ہو خو برو جدا

مہتاب سے شعاع جدا گل سے بو جدا سینے سے دم جدا رگ جاں سے لہو جدا

گر جا جو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی

محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

۱۴۴ صفحہ ۲۰۵ جلد ۲

جنگ کے معر کے نظم کرنا اور تلوار اور گھوڑے کی تعریف میں زور طبع دکھانا عرب اور ایران کی شاعری میں بہت رائج تھا۔ یہ چیزیں مرثیوں میں وہیں سے آئیں۔ چنانچہ میر انیس کے مرثیوں میں کہیں کہیں وہی مضمون مل جاتے ہیں جو اساتذہ قدیم کہہ چکے تھے۔

”تلوار کی تعریف میں میر انیس صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بد مذاقی کے اثر سے کہیں کہیں بے راہ نکل جاتے ہیں تاہم واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایاں رہتا ہے۔“

(موازنہ ص ۲۱۱-۲۱۲)

تلوار کی تعریف میں عشقیہ الفاظ اور تشبیہات استعمال کرنے کے متعلق دیکھو موازنہ

(صفحہ ۲۱۶-۲۱۷)

امراے لکھنؤ کو تلواروں کا شوق تھا جس کی بنا پر مرثیوں میں تلوار کی تعریف میں طول دیا گیا۔

”نواب روشن الدولہ نے لاکھ روپے کی تلواریں مول لی تھیں۔ احمد علی خاں داروغہ

ہوئے تھے۔ گھر میں آگ لگا کر کہا وہ تلواریں سب جل گئیں۔ نواب امین الدولہ کے پاس

وہ تلواریں آئی تھیں۔ اس عاصی نے انھیں دیکھا تھا۔ کلکتے میں جا کر بکیں“

(قیصر التواریخ صفحہ ۹۵)



۱۸۔ گھوڑا

گھوڑے کی تعریف میں گھوڑے کی تیز روی اور سبک روی کا بیان خوب خوب کیا ہے اور گھوڑے کے ذاتی اوصاف بھی خوب بیان کیے ہیں جو دوسرے مرثیہ گوئیوں کے یہاں نہیں ملتے۔ گھوڑوں کے طبعی خواص سے انیس بخوبی واقف تھے اور شہسواری کی اصطلاحیں بھی جانتے تھے۔

کیونکر بیاں ہو شوکت و شان پیمیری عاجز ہیں یاں فرزدق و حسان و حمیری
طاقت یہ کس میں ہے جو لکھے زور حیدری دوڑے کیت خامہ تو کھائے سکندری
قرآن میں جن کا وصف مکرر خدا کرے
کس کی زباں سے پھر بشران کی ثنا کرے

۸ صفحہ ۱۵۳ مصرع ۴

شہدیز کو رانوں میں دلاور نے جو دابا پھڑا گیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دو رکابا
تنگی سے قفس تھا اسے دنیا کا خرابا اترا تو دہانے کو عجب غیظ سے چابا
نہ جست نظر آئی نہ کاوا نظر آیا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا

۷۴ صفحہ ۲۷۹ مصرع ۲

گھوڑے کا غصہ

دوست سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر چلایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
 ہاں اے حسن کے لال بدخشاں بدہ بگیر نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغ قضا نظیر
 چمکا کے تیغ تیز جو قاسم سنبھل گئے
 سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے
 مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن آنکھیں ابل پڑیں صفت آہوے ختن
 ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن چلائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
 میخیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
 دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں
 فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفر ف یہ باد پا
 دشمن کو گھورتا ہے دہانہ چبا چبا غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو با وفا
 دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
 لڑے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو
 چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا تھا اڑا صورت بنائی جست کی سمٹا جما اڑا
 دیکھی زمیں کبھی کبھی سوے سا اڑا مثل سمند بادشہ انما اڑا
 جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
 گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

۱۲۳-۱۲۶-صفحہ ۲۶۴

(دیکھو کاشف الحقائق صفحہ ۳۹۵)

”فارسی اور اردو میں جو کچھ گھوڑے کی مدح میں لکھا گیا وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے۔ کسی نے یہ نہیں کیا کہ گھوڑے کے اصلی خدو خال، ڈیل ڈول، چہرہ مہرہ، چل پھر، آؤ جاؤ کا نقشہ دکھاتا۔ میر انیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہیں۔ تاہم ان کا اصلی جوہر بھی ہر جگہ نمایاں ہے۔“ (موازنہ انیس و دبیر صفحہ ۲۰۸)



۱۹۔ بیان رزم

انیس جنگ کے نقشے، آلات حرب اور ان کے اجزا کی تفصیل، حریفوں کے داؤں پیچ اور ان کی گھاتیں، پہلوانوں کی ہیبت اور ان کی دھوم دھام، رجز کا زور شور خوب دکھاتے ہیں اور اس سلسلے میں فنون جنگ شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر اندازی، شہسواری وغیرہ کی اصطلاحیں کثرت سے لکھتے ہیں۔

فردوسی بیان رزم میں بے نظیر مانا جاتا ہے۔ اس نے شاہنامے میں متعدد لڑائیوں کا حال بڑے شہد و مد سے لکھا ہے لیکن انگلستان کا مشہور مستشرق پروفیسر براؤن جس کو ایران پرست اور ادبیات ایران کا فدائی کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہتا ہے کہ فردوسی نے کل معرکوں کا بیان قریب قریب ایک ہی انداز میں کیا ہے اور اس کے بیانات رزم میں ایک بے مزہ یکسانی پائی جاتی ہے۔ اس مقام پر یہ نکتہ غور کے قابل ہے کہ فردوسی سے رزم گو شاعر نے مختلف لڑائیوں کا حال بیان کیا مگر ان میں یکسانی اور بدمزگی پیدا ہو گئی اور انیس نے ایک لڑائی کو پچاسوں مرتبہ بیان کیا اور ہر دفعہ ایسا نیا انداز اختیار کیا کہ اس کے بیانات میں نہ یکسانی پیدا ہونے پائی نہ بدمزگی۔ انیس کی قدرت بیان کا اس سے زیادہ مضبوط اور واضح ثبوت اور کیا ہوگا۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ فردوسی بڑے بڑے بادشاہوں کے عظیم الشان لشکروں کا مقابلہ اس دھوم دھام اور زور شور کے ساتھ نہ دکھاسکا جس طرح انیس نے کربلا کی مختصر سی جنگ کو دکھایا۔ کہا جاتا ہے کہ فردوسی کے بیانات رزم کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ وہ معرکوں کی تصویر میں جزئیات کو خوب بیان کرتا ہے لیکن غور سے دیکھیے تو وہ سرسری باتوں کے سوا اصلی جنگ کی مفصل تصویر نہیں کھینچتا لیکن انیس پہلوانوں کے ہنر اور ان کے داؤں پیچ وغیرہ

اس تفصیل سے اور اس طرح نمایاں کر کے دکھاتے ہیں کہ انھیں اس خصوصیت میں بے نظیر ماننا پڑتا ہے۔ فردوسی عام معرکہ جنگ کی تصویر خوب کھینچتا ہے لیکن دو پہلوانوں کی جنگ کی تفصیل بہت کم لکھتا ہے۔

حضرت علی اکبر کی جنگ۔ تلوار کا چلنا۔ فوجوں کی ابتری۔ مقتولوں کی کثرت وغیرہ

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغ شعلہ رنگ
چمکا اک آنہ کہ ہوئی فوج شام دنگ دکھائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب صاعقہ شعلہ بار کی یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی
ہتم ہتم کے یوں گیا صف اعدا پہ وہ دلیر جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر کشتوں کے پشے ہو گئے دم میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور شور سے آئی گزر گئی ثابت نہ یہ ہوا صف اول کدھر گئی
جب یہ بڑھے لہو تن اعدا کا گھٹ گیا باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا بس دفعتاً سپاہ کا دفتر الٹ گیا۔
سر داخل خزانہ سرکار ہو گئے پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے
چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سر پر سمجھوں کے تیغ ہلالی نظر پڑی سوے جنوب فوج شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے کیونکر قدم چھمیں کہ زمیں سر کی جاتی ہے
نکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے ادھر ادھر چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے ادھر ادھر
پیش نظر تھے خون کے تھالے ادھر ادھر ابتر تھے دشت کیں میں رسالے ادھر ادھر
ملا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا
بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی چار آنہ کٹا زرہ خیرہ سر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفت نیشکر کٹی سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی

رہوار بھی دو نیم میان مصاف تھا

ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اس کی چمک دمک کانپ کبھی زمیں کبھی تھرا گئے فلک

شعلے میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک ہر ضرب میں سا سے تلاطم تھا تاسمک

کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے

گاوز میں سمٹی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

سیدھی چلی وہ جب صف دشمن الٹ گئی باقی تھی جتنی عمر تہ تیغ کٹ گئی

آکر زمیں پہ جب سوے گردوں پلٹ گئی بجلی سے رعد رعد سے بجلی پلٹ گئی

گرتے تھے جن زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

ہٹتے تھے جبریل امیں کانپ کانپ کے

ملا نہ تھا صفوں میں علم کا نشان کہیں چلے کہیں تھے شست کہیں تھی کماں کہیں

نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں جمہر کہیں کند کہیں برچھیاں کہیں

اک اک سیاہ روکا جگر داغ داغ تھا

جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

چمکی گری اٹھی ادھر آئی ادھر گئی خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی

کانٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی

اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہر صمد نہیں

ایسا تو رود نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سر خود سروں کے چنبر گردن سے اڑ گئے ہاتھ آستیں سے اڑ گئے سرتن سے اڑ گئے

ڈر ڈر کے سب پرند نشین سے اڑ گئے پائی جو راہ طائر جاں سن سے اڑ گئے

تھے قتل عام پر علی اکبر تلے ہوئے

رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

اللہ رے دو آبہ تیغ دو دم کا کاٹ آفت تھی جس کی باڑھ قیامت تھا جس کا گھاٹ

مقتل سے تابہ نہر تھا دریاے خوں کا پاٹ ہر دم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ

سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ

ہر استخوان کو مغز قلم جانتی تھی وہ

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی تن سے اڑا دیا وہیں سر جس کو پاگئی
ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی

چار آئینے کا کاٹ اسی کو حوالہ تھا

ذکر اس کا کیا ہے خود تو منہ کا نوالہ تھا

یارا قرار کا تھا نہ صورت فرار کی پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
روئیں تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی

آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو کا

بجلی کی تھی کڑک کہ تماچہ تھا دیو کا

اتری زمیں پہ وہ سر دشمن پہ جب چڑھی دم بھر میں آب تیغ کی ندی غضب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اتری یہ کب چڑھی سب کو بخار تیغ سے لرزے کی تب چڑھی

مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تل گئے

کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

زندہ کسی کو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی

خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے

بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

قعر سقر میں کشتہ ضرب نخست تھے بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
قبضے میں تھا نہ زور نہ بازو درست تھے کھینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی ست تھے

ہر کج نہاد تیر اجل کا نشانہ تھا

شانے بھی تھے قلم یہ نیا شاخسانہ تھا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے مغر سروں سے مثل سبھو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لب جو پھینکنے لگے تنکا سمجھ کے تیر عدد پھینکنے لگے

ترکش بھی اہل ظلم کے آفت رسیدہ تھے
 چلے بھی کشمکش میں کہاں سے کشیدہ تھے
 کرتے تھے فتح جنگ کو جو ایک آن میں ریشہ تھا ان کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
 الجھاتے تھے کند کینے کمان میں ترکش میں تیغیں رکھتے تھے نیزوں کو میان میں
 تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
 آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے
 بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے پہلے انھیں کو مار لیا رول رول کے
 حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے ہتھیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
 اس شان سے کبھی نہ عجم نہ عرب لڑے
 دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے
 دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے اس گھاٹ پر جو آئے سران کے اتر گئے
 رستہ تھا اک ادھر وہ گئے یا ادھر گئے ہر پھر کے ہر طرف سے میان ستر گئے
 تار ان کے اشتیاق میں آب ان کی لاگ میں
 پھینکا ہوا نے پانی میں پانی نے آگ میں
 وہ حرب وہ شکوہ وہ شان پیبری نعرے وہ زور شور کے وہ ضرب حیدری
 وہ تیغ خونچکاں وہ جلال غنفری راکب جو رشک حور تو رہوار بھی پری
 چالاک آہوان نختن اس قدر نہ تھے
 اڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

بند: ۱۰۹-۱۳۰ صفحہ ۳۷۳-۳۷۵ ج ۱

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

حرکی جنگ:

شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے جل بجھے کشتی تن خون میں طوفانی ہے
 ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاٹانی ہے کہتا تھا حریہ فقط قوت ایمانی ہے
 زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ دعا کی طاقت
 سب ہے یہ سبط پیمبر کی دعا کی طاقت

کہہ کے یہ فوج میں پھرتی جگر ڈوب گیا ورطہ قلزم آفت میں گہر ڈوب گیا
لشکر شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا کشمکش تھی کہ عرق میں گل تر ڈوب گیا

تھا کبھی شیر سا بھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

گہہ چھپا اور کبھی نکلا وہ مہ برج شرف کبھی اس صف میں در آیا کبھی روندی وہ صف
کبھی دریا کے کنارے کبھی صحرا کی طرف کبھی نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہ نجف

جتنے مجروح تھے دم ان کے نکل جاتے تھے

شیر بھی نام علی سن کے دہل جاتے تھے

نخل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل سر کی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہلچل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیر اجل منہ کے بل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر کے بل

حشر برپا تھا سواروں پہ فرس لوٹتے تھے

دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس لوٹتے تھے

بڑھ کے فرماتے تھے عباس زہے ہمت و جاہ بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
کہتے تھے ابن حسن واہ حر غازی واہ شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاء اللہ

اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا

مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

بند: ۱۱۶-۱۲۰ صفحہ ۱۳۱-۱۳۲ ج ۱

مطلع: بخدا فارس میدان تہور تھا حر

دو حریفوں کی جنگ:

مصروف جنگ تیغ سے تھے سرور حجاز چمکا کے اسپ واں سے بڑھا ایک نیزہ باز

نامرد نے کیا جو نہیں دست ستم دراز نیزہ اٹھا کے کہنے لگے شاہ سرفراز

ہاں اے اجل گرفتہ کمر استوار کر

نیزے کا ہے غرور تو آ کوئی وار کر

کس طنطنے سے شاہ پہ آیا وہ خود پسند کل کی طرح سے پھرنے لگا ہر طرف سمند
 نیزے سے اس کے آپ کو پہنچی نہ کچھ گزند مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
 تھا گو کہ نیزہ بازی پہ ظالم تلا ہوا
 یاں تھا سب اس کے عزم کا عقدہ کھلا ہوا
 نیزے کی اس لعیں سے لڑائی جو آپڑی دونوں طرف سے جنگ میں کوشش ہوئی بڑی
 انیوں سے اڑ رہے تھے شرارے گھڑی گھڑی تھی چوب سے تو چوب سناں سے سناں لڑی
 اک معرکہ تھا بیچ میں دشت قتال کے
 دو مار گتہ گئے تھے زبانیں نکال کے
 پیہم ہوئیں تکاں پہ تکانیں جو یک دگر ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی ادھر
 کس نوک جھونک سے وہیں نیزے کو پھیر کر فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہنر
 ظالم پہ آسماں سے بلا ناگہاں گری
 دو تین نیزے اڑ کے زمیں پر سناں گری
 تھرا گیا بدن نہ رہی طاقت قرار گھوڑے کی باگ پھیر کے بھاگا وہ نابکار
 بچ کر نکل چلا تھا کہ چمکا کے راہوار نیزے کا اک کمر پہ کیا شاہ دیں نے وار
 موذی تھا وہ لعیں پہ انی فتنہ کوب تھی
 سر میں سناں تھی پشت کے مہروں میں چوب تھی
 قربان زور بازوے سلطان ارجمند زیں سے اٹھا کے اس کو سناں پر کیا بلند
 پہنچا ستر میں دار جہاں سے وہ خود پسند ٹپکا زمیں پہ جب تو ہوا چور بند بند
 اپنے ہنر پہ ناز تھا اس نیزہ باز کو
 دکھلا دیا جہاں کے نشیب و فراز کو

جو سیکھا تھا نیزے کا ہنر سب وہ دکھایا یاں سے بھی جواب اس نے ہر اک طعن کا پایا

بر آنہ سکا سبط رسول مدنی سے

نیزے کو اڑا لے گئے نیزے کی انی سے

جھنجھلا کے کماں دوش سے ظالم نے اتاری اور جوڑ کے تیر اس میں لگا کہنے وہ ناری

اب دیکھئے حضرت قدر اندازی ہماری سن کر یہ سخن فوج سب احسنت پکاری

بجلی سی چلی شاہ کی تیغ دو زباں بھی

دو ٹکڑے ہوا تیر بھی چلہ بھی کماں بھی

دانتوں سے لگا کاٹنے ہاتھ اپنے وہ بے پیر حملہ کیا نامرد نے پھر کھینچ کے شمشیر

رد کر چکے جب وار کئی حضرت شبیر دکھلائی اسے فاطمہ کے دودھ کی تاثیر

دھبا بھی لگا خوں کا نہ شمشیر دو دم پر

اک وار میں سر جا پڑا چالیس قدم پر

۳۵-۳۷ صفحہ ۱۳۶-۱۳۷ جلد ۴

چمکا کے ذوالفقار اٹھائی جوشہ نے باگ لشکر میں اس طرف سے ہوا غل کہ بھاگ بھاگ

تھی شمع دودمان علی سے جو اس کو لاگ سن کر یہ شور لگ گئی ناری کے تن میں آگ

سمجھا نہ یہ کہ ابن علی ہے جلال پر

حملہ کیا شقی نے محمد کے لال پر

رو کر کے اس کے وار بڑھے شاہ بخرد بر نیزے کے بند کاٹ دیے مثل نیشکر

دو کر دیا عمود کو مثل خیار تر جھچکا چمک سے تیغ دوسر کی وہ خیرہ سر

گرتے ہوئے لیا کمر نابکار کو

غل پڑ گیا وہ شیر نے مارا شکار کو

زیں سے اٹھا کے روک لیا صورت سپر ہتھیار کھل کے گر پڑے اس کے ادھر ادھر

سر سے ہوا بلند تو پھینکا زمین پر طفلی سے زائچے میں کھنچا تھا اجل کا گھر

پہچاننا بھی شکل کا اشکال ہو گیا
ایک ایک عضو قرعہ رمال ہو گیا

۱۱۱-۱۱۳ صفحہ ۱۶۷ ج ۴

نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند مشکلکشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند چلہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغ سر بلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں

گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

ظالم اٹھا کے گرز کو آیا جناب پر طاری ہوا غضب خلف بو تراب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر بجلی گری شقی کے سر پر عتاب پر
بد ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں

ہاتھ اڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار پنچے سے پر اجل کے کہاں جاسکے شکار
واں اس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار

قربان تیغ تیز شہ نامدار کے

دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

پھر دوسرے پہ گرز اٹھا کر پکارے شاہ کیوں ضرب ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
سرشار تھا شراب تکبر سے روسیہ جاتا کہاں کہ موت تو رو کے ہوئے تھی راہ
غل تھا اسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے

لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

آتا تھا وہ کہ اسپ شہ دیں پلٹ پڑا ثابت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا ضربت پڑی کہ گنبد دوار پھٹ پڑا

پیوند صدر زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

۱۷۰-۱۷۲ صفحہ ۲۰۹-۲۱۰ ج ۲

شامی بڑھا ادھر کو جو بھالا سنبھال کے صدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
مہمیز کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اتار لے
پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند آگے بڑھا حسین کا فرزند ارجمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند عقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھر ہرے کھلے ہوئے
دو اژدھے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے
گہہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ سناں پر کبھی سناں انیوں سے اڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر تکان طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحان
یہ بھی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر زور و ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا
کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر زخمی کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گاہ سر
ہشیار کر کے صید کو جھپٹا وہ شیر ز نیزے سے کار تیغ لیا واہ رے ہنر
سر بر بھلا ہوئے ہیں نخی سے دنی کہیں
بوڑی کہیں تھی ڈانڈ کہیں تھی انی کہیں
گرز گراں اٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثل جام خوں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذوفنوں
تھا ان کا ہاتھ فضل خدا سے علی کا ہاتھ
بے زخم کھائے ہو گیا جھوٹا شقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کہاں آیا مثال پیل قوی ہیکل دماں
 چھوڑا شتی نے تیر سہ پہلو کہ الاماں تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادہ زماں
 ضربت تھی یا کہ قہر خداے قدیر تھا
 گوشہ تھانے کہاں تھی نہ قبضہ نہ تیر تھا
 رخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا او کج نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
 کیوں سہمگیں ہے کھینچ کے تلوار منہ پہ آ میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیسری خطا
 تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں
 ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں
 لی زرد رونے میان سے شمشیر برق دم دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بیک علم
 لکے سیاہ ابر سپر سے اٹھے بہم چالاکیاں دکھانے لگے اسپ خوش قدم
 دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
 یہ گرد اڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں
 چوئیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار کس کس ہنر سے رد کیے اس بے ادب کے وار
 اس شان سے شتی پہ چلے تشنہ لب کے وار یاد آگئے ہر اک کو امیر عرب کے وار
 رخ زرد تھا ہر اس سے اس ہرزہ گرد کا
 یاں ٹھاٹھ تھا علی ولی کی نبرد کا
 شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال تیور وہی حواس وہی اور وہی کمال
 تیغ و سپر میں شیر الہی کی چال ڈھال دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر نہ قیل و قال
 نقشہ دکھادیا شہ دلدل سوار کا
 جب حرب کی تو نام لیا ذوالفقار کا
 ڈھالوں کے پرزے ہو گئے پیہم رکے جو دار بھرتا تھا اژدہ کی طرح دم سیاہ کار
 دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
 بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
 جس طرح زخمی صید دہکتا ہے شیر سے

لایا کلام سخت جو لب پر وہ بد زباں بس آگیا جلال میں شہزادۂ زماں
 دست اجل بڑھا کہ اٹھی تیغ جانتاں اڑ کر گیا فرس پہ سمند سبک عنایاں
 گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا
 عصفور شاہباز کے پنچے میں آگیا
 نہ وہ تہمتی تھی نہ وہ زور گیو کا منہ پھر گیا تماچہ ضیغم سے دیو کا
 ظالم شکار بن گیا گیہاں خدیو کا کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جینیو کا
 نکلی بغل سے تیغ عجب کروفر کے ساتھ
 اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

بند: ۱۰۶-۱۱۸ صفحہ ۳۰۴-۳۰۶

مطلع: جب بادبان کشتی شاہ امم گرا

بھالا ہلا کے فوج سے اک پہلواں بڑھا مار سیاہ تھا کہ نکالے زباں بڑھا
 بھالا بڑھا نہ تھا کہ حرنو جواں بڑھا نعرہ کیا کہ او ستم آرا کہاں بڑھا
 غازی نے طور جنگ کا اس کو دکھا دیا
 مانند کلک نیزہ خطی اڑا دیا
 تیر و کماں کو لے کے بڑھا پھر وہ تیز دست آواز دی اجل نے کہ ہاں دے اسے شکست
 اللہ رے جری کی لڑائی کا بندوبست بس ایک ہاتھ میں نہ انگوٹھا رہا نہ شست
 آئی گئی وہ تیغ عجب رنگ ڈھنگ سے
 چلہ کماں سے اڑ گیا اور پر خدنگ سے
 پائی شکست فاش تو خفت کو ٹال کے جھپٹا غضب سے تیغ و سپر کو سنبھال کے
 دو تین ہاتھ سیف کے حرنے نکال کے پھل تیغ کا اڑا دیا اور پھول ڈھال کے
 دشمن پہ گر کے رکتی ہے تیغ اجل کہیں
 قبضہ کہیں تھا تیغ ستمگر کا پھل کہیں

بند: ۱۱۲-۱۱۸ صفحہ ۲۰۹ جلد ۲

مطلع: ہے شور آمد آمد حرفوج شاہ میں

اس شان اور شکوہ سے آیا جو حر نظر نکلا تب اس سے لڑنے کو صفوان بدگہر
 نیزے کو تول کے ہوا وہ حر پہ حملہ ور رد کر کے وار حر نے دکھایا عجب ہنر
 نیزے پہ بس اٹھا کے اسے صدر زین سے
 دے مارا یوں کہ گرد نہ اٹھی زمین سے

بند: ۸۳ صفحہ ۲۲۲ جلد ۲

مطلع: جب آفتاب تاج سر آسماں ہوا

نیزہ ہلا کے جانب قاسم بڑھا وہ مل دو لھانے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
 گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے مل تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
 ضیغم ہیں پیشہ اسد ذوالجلال کے
 کج سناں کا وار ذرا دیکھ بھال کے

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکان چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
 اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
 بل کیا کرے کہ زور ہی موڑی کا گھٹ گیا

غل تھا کہ اڑدے سے وہ افعی لیٹ گیا

قاسم نے زور سے جوانی پر رکھی انی بھاگا شقی کے جسم سے زور تہمتنی
 بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آنبی تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی

اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس تکان سے

گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے

جھنجھلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ ماری بچا کے سر
 دو انگلیوں میں نیزہ دشمن کو تھام کر جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا

دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب قبضے میں لی کمان کیانی بصد غضب
 چلے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب تیوری جڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب

تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
 کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلہ اتر گیا
 بولا یہ مسکرا کے جگر گوشہ حسن رخ پھیر یو نہ اے ستم ایجاد پیل تن
 چلائے بڑھ کے حضرت عباس صف شکن کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
 دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
 دعویٰ ہو کچھ ابھی تو چڑھالے کمان کو

بند: ۱۱۶-۱۲۱ صفحہ ۲۶۳-۲۶۴ جلد ۲

مطلع: پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
 تنکنے لگے فلک کے درپچوں سے سب ملک اک زلزلہ تھا اوج ثریا سے تاسمک
 چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
 یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی
 ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد تھا حرب و ضرب میں وہ شتی بھی بلاے بد
 جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانی حسد کہتا تھا بازوے شہ دیں یا علی مدد
 یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جھول کو
 جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بد خصال جھپٹا مثال شیر درندہ حسن کا لال
 گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال اتنے بڑھے کہ لڑگئی اس کی سپر سے ڈھال
 اوجھڑ لگی کہ ہوش اڑے خود پسند کے
 گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

عباس نامدار نے پہلو سے دی صدا ہاں اب نہ جانے دیجو احسنت مرحبا
 دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا بھی اس طرف کو ادھر ہو کے گر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

بند: ۱۲۷-۱۳۰ صفحہ ۲۶۵ جلد ۲

مطلع: مذکور

نیزہ بازی کا جو پھر آگیا دونوں کو خیال
دولعین نکلے ادھر سے بھی پے جنگ وجدال
نیزہ بازو پہ گرے چھوٹے سے نیزوں کو سنبھال
آگئے غیظ میں تب زنب دلیگر کے لال
ایک پر عون دلاور نے اٹھایا گھوڑا
ایک شامی پہ محمد نے بڑھایا گھوڑا
جاتی تھی تا سرگردوں جو سانوں کی جھلک
آنکھ خورشید کی ہر مرتبہ جاتی تھی جھپک
سامنے گھوڑے کے شرمندہ تھی بجلی کی چمک
تھر تھراتی تھی زمیں رن کی لرزتے تھے فلک
جب یہ لکار کے نیزوں کو تکاں دیتے تھے
آہنی ڈھالوں میں سینے وہ چھپا لیتے تھے
یہ جھکے ان پہ تو ان پر بھی جھکے وہ خونخوار
لڑتی تھیں نیزوں کی انیوں سے جوانیاں ہر بار
قتل پر ان کے تو خونخوار وہ کد کرتے تھے
پر یہ کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے
دیر تک دونوں سے لڑتے رہے زنب کے پسر
ان کا وار ان پہ چلا اور نہ ان کا ان پر
آکے تب غیظ میں کہنے لگے وہ نیک سیر
دیکھو اے ظالمو ہم دونوں کے نیزوں کا اثر
یک بیک پھرتے ہی اس طرح ہلائے نیزے
دونوں خونخواروں کے سینوں میں در آئے تیزے
بسکہ تھے زور میں یکتا وہ علی کے دلدار
دوونوں کو نیزے کی نوکوں پہ اٹھایا اکبار
نیزوں سے پھر انھیں پھینکا سوے چرخ دوار
جب لگے گرنے تو دونوں نے لگائی تلوار

برش تیغ پہ حیراں تھے ستمگر رن میں
چار ٹکڑے کیے دونوں کے برابر رن میں

بند: ۴۷-۵۱ صفحہ ۶۰ جلد ۳

مطلع: غل ہے اعدا میں کہ زینب کے پسر آتے ہیں

کافر نے رجز پڑھ کے نگار کو نکالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہہ و بالا
اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
گردن کو لڑائے ہوئے تھا کالے سے کالا

پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشت و غا میں
چنگاریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طعن میں یاں مڑ گئے واں اڑ گئے رہوار
چوٹیں جو کئی کھا کے جھبکنے لگا غدار
نقطہ یہ سمٹنے میں وہ پھر جانے میں پرکار
نیزے کو اڑا لے گیا نیزے سے یہ جرار

کیا بند بندھے لخت دل عقدہ کشا پر
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی ڈانڈ ہوا پر

غصے میں کماں لے کے بڑھا سرکش و بے پیر
پنجہ تھا کہ سر پنجہ ضرغام عدو گیر
سر پر تھا عقاب علی اکبر صفت تیر
غل تھا کہ زہے زور جگر گوشہ شبیر

یا دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
یا پنجہ خورشید میں دیکھا مہ نو کو

پھر گزر گراں شیر کو غدار نے مارا
چمکا جو تبر زیں ملک الموت پکارا
اس ضرب کو رد کر کے بڑھا شاہ کا پیارا
لو قطع ہے اب نخل حیات ستم آرا

شیروں کے جگر کانپ گئے خوف سے بر میں
دو ٹکڑے ہوا گزر گراں ایک تبر میں

خفت ہوئی جھٹکے کئی ظالم نے جو کھائے
روباہ ظفر شیر پہ کس طرح سے پائے
پیے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چبائے
پھر گردہ خاک اڑ کے اگر عرش پہ جائے

ہاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اعلیٰ کے مقابل نہیں ہوتا

اکبر نے کہا خیر تھکا گر ہے تو دم لے بے تیرے بڑھے وار کریں ہم تو قسم لے
دم لے کے بس اب میان سے شمشیر دو دم لے کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
ناخن جو نہ ہو عقدہ مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا

بند: ۱۱۱-۱۱۶ صفحہ ۹۵ جلد ۳

مطلع: دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر

جب تیزی شمشیر زباں اس کو دکھائی ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ حرارت بھی کچھ آئی
تلوار علم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد یہ بن کی
گھوڑوں کی تگا پوسے زمیں ہل گئی رن کی

شہدیز کو اکبر نے بھی کاوے پہ لگایا واں سے بھی تڑپ کر فرس تیز تگ آیا
منہ کھولے ہوئے شیر پہ حملے کو سگ آیا پردب کے الگ زد سے گیا اور الگ آیا
لاتی تھی اجل کھینچ کے شمشیر کے منہ پر
آسکتا ہے رو باہ کہیں شیر کے منہ پر

اکبر نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آکر کیوں منہ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
مردانہ دکھا وار حریفانہ وغا کر کچھ اپنے رسالے کے جوانوں سے حیا کر
ناداں ہے تمیز حق و باطل نہیں رکھتا
تو ایسے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا

یہ خوف کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے پنچے سے نہ شیروں کے شکار آ کے نکل جائے

یک جا صفت سایہ آہو نہیں تھمتا

سیماب ٹھہر جاتا ہے پر تو نہیں تھمتا

تجھ سا تو جواں لشکر بد خو میں نہیں ہے ہاں زور شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے فوجیں ہیں ادھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے

ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں

کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں باندھے کھڑے ہیں

نیزے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا کیوں میں نے کہاں چھین لی اور تیر تمھارا

اک ضرب تبر تھی کہ ہوا گرز دو پارا لڑنے پہ تبرا ہے ترے اے ستم آرا

آ تیغ جوانان خوش اقبال کے اوپر

چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے منہ پر

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب میں وہ یل آیا اکبر نے کہا آ کہ مقام اجل آیا

بارے شجر جرأت و ہمت میں پھل آیا بس روک لے پودا کہ فرس منہ کے بل آیا

یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے

گر پڑتا ہے جلدی تری کچھ اصل نہیں ہے

بند: ۱۲۳-۱۳۰ صفحہ ۹۶-۹۷ جلد ۳

مطلع: دولت کوئی دنیا میں پر سے نہیں بہتر

یہ سن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر زرینہ پہنچا تھا جسے زور علی سینہ بسینہ

شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ شہدیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ

یوں سینہ کشادہ گئے اس عہد شکن پر

جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

لڑ جانا وہ ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکار آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہر اک وار

مرحب تھا ادھر اور ادھر حیدر کرار تلوار پہ تلوار تھی رہوار پہ رہوار

بجلی سے فزوں تھی تڑپ آتش نفوس کی

رسواروں تک آجاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی

مہمیز پہ مہمیز تھی اور کوڑے پہ کوڑا ہر مرتبہ منہ ڈالتا تھا گھوڑے پہ گھوڑا
 کل پھر گئی جس باگ پہ جس نے جسے موڑا زخمی ہوئے پر کھیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
 اس زور سے تیروں کی بھی سریاں نہیں چلتیں
 یوں جھوم کے چلتے تھے کہ پریاں نہیں چلتیں
 زن سے جو وہ تلواریں سن سے پھر آئی وہ خود سے پھرتی ہوئی دامن سے پھر آئی
 وہ کھینچ کے سپر سے گئی جوشن سے پھر آئی وہ صدر سے خالی گئی تو سن سے پھر آئی
 ہاں بعد علی کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
 غل تھا کبھی دیکھی نہیں رڈ و بدل ایسی
 غصے میں جو سفاک نے کی رخس کو مہمیز شہزادے کے گھوڑے کے قریب آگیا شہدیز
 بس تھام لی اکبر نے عنان فرس تیز جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
 ہوش اڑ گئے اس بانی بیداد و ستم کے
 سرکٹ کے گرا فرق پہ چالیس قدم کے

بند: ۱۳۹-۱۴۳ صفحہ ۹۸ جلد ۳

مطلع: مذکور الصدر

یہ سنتے ہی بس تول کے نیزے کو وہ گمراہ اس طنطنے سے آیا کہ العظمتہ للہ
 پہنچی تھی سناں متصل سینہ کہ ناگاہ ترچھی چلی جوں صاعقہ شمشیر ید اللہ
 اس سیف کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی
 ایک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی
 قبضے میں کماں لے کے بڑھاتا وہ جفاکار چلے سے بہ تعجیل ملایا لب سو فار
 تاکا تھا نشانہ کہ پکارے شہ ابرار ہاں میں بھی جگر گوشہ حیدر ہوں خبردار
 یہ کہتے ہی چھیڑا فرس گرم عنان کو
 نیزے سے اڑا لے گئے جوں تیر کماں کو
 شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری حضرت کی سپر سے ہوئی تلواریں عاری

اس عاشق باری پہ یہ غصہ ہوا طاری فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
 اس پھرتی سے اس ظالم پر کید پہ آئے
 جس طرح کہ شہباز اجل صید پہ آئے
 دہنی طرف اس شامی نے گھوڑے کو اڑایا حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
 تیغ دو زباں کو شہ عالم نے اٹھایا سر تک وہ سپر ہاتھ سے لانے بھی نہ پایا
 اس طرح چمک کر یہ چلی فرق لعیں پر
 سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر
 سر پر جو پڑی دو ہوئے خود و سرو گردن گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
 جوشن سے جو اتری تو لیا زین کا دامن دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا تو سن
 قبضہ تو رہا دست جناب شہ دیں میں
 اور تا سر دنبالہ در آئی وہ زمیں میں

بند: ۵۶-۶۰ صفحہ ۱۲۷ جلد ۳

مطلع: جب فوج خدا قتل ہوئی راہ خدا میں

ان جودتوں سے ہو گیا ظالم کا ذہن کند بھاری سبق تھا بھول گیا سب نوشت و خواند
 بڑھ کر جودل بڑھانے لگے افسران جند آیا اڑا کے رخس کو وہ مثل باد تند
 برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
 اکبر ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے
 نیزے ہلے وہ چل گئیں چوٹیں کہ الاماں ہر طعن قہر کی تھی قیامت کی ہر تکان
 چنگاریاں اڑیں جوسناں سے لڑی سناں دو اڑدے گتھے تھے نکالے ہوئے زباں
 پھیلے شرر پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
 شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں
 ان کی طرف خدا تھا ادھر لشکر غنیم
 وہ کفر میں قوی یہ رہ حق پہ مستقیم
 سردار شام سب تھے میان امید و بیم
 دونوں طرف سے تھی کشش و کوشش عظیم

ہالے تھے دو تلے ہوئے گھوڑوں کی گشت سے
 خاک آسماں پہ جاتی تھی اڑاڑ کے دشت سے
 گھوڑا تھا یا چمکتی تھی بجلی ادھر ادھر گہہ منہ کفل پہ تھا کبھی پٹھے قریب سر
 غل تھا شکار بند ہے یہ یا ہما کے پر بے استخواں ہے اسپ جہاں سیر کی کمر
 سب ان سے زیر دست ہیں جو ذی کمال ہیں
 یہ شہسوار دوش محمدؐ کے لال ہیں
 ان کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
 کیا د نیزہ بازی میں تھا بار بار بند چوٹوں سے نیلگوں تھے جفا جو کے چار بند
 خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ
 کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکل کشا کی چوٹ
 ڈوبی گرہ میں نیزہ ظالم کی جب سناں گھوڑا اڑا کے ہاتھ کو اکبر نے دی تھکاں
 اللہ رے زور اٹھ گیا گھوڑے سے پہلوواں دست شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہاں
 نیزے کے ساتھ شور اٹھا اس گروہ سے
 لو اڑدے کو لے گیا سمرغ کوہ سے
 نیزہ اڑا چکا تو پکارا وہ شہسوار دیکھا ہماری ضرب کو کیوں او ستم شعار
 حربوں سے دور کے ہے دلیروں کو ننگ و عار جوہر کھلیں جو تیغ سے دم بھر ہو کارزار
 کمزور کو خدا نے زبردست کر دیا
 یہ تیری سرکشی نے تجھے پست کر دیا
 ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ بدلا تھا اس نے ٹھاٹھ کہ چمکی ادھر سے تیغ
 دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ
 مضطر تھا اپنی زیست سے دشمن کو یاس تھی
 جب ہاتھ اٹھ گیا یہ کلانی کے پاس تھی
 چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال شانے پہ آئی سینے پہ لی جب شقی نے ڈھال
 سر کو بتا کے کاٹ گئی وہ زرہ کا جال چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بد خصال
 رو کے کسے جواب کسے دے کدھر پھرے
 بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

شمشیر تیز سن سے جو آئی جھک گیا ضربت بھی کی تو ہاتھ شقی کا بہک گیا
جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ناری ہے نور حق سے کہاں بچ کے جائے گا

اک دم میں تیغ تیز کا پانی بجھائے گا

دونوں طرف وغا میں بڑی جدو کد ہوئی پر ڈھال بہر تیغ سکندر کی سد ہوئی

تائید کی خدا نے علی کی مدد ہوئی جو اس نے ضرب کی وہ سردست رد ہوئی

گرمی میں ابر بن گئے تھے وہ جو برق تھے

اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

کرتا تھا ہاتھ اپنی صفائی کو آشکار تیغ اپنے جوہروں کو دکھاتی تھی بار بار

جنگ آزمودہ آتش سوزندہ آبدار آفت کا منہ غضب کی روانی ستم کی دھار

جس دن سے اتری سان سے رن پر چڑھی رہی

اکبر سے بھی وغا میں کچھ آگے بڑھی رہی

آخر دکھا چکا وہ شقی اپنا سب کمال پرشہ کے زلفوں والے کا بیکا ہوا نہ بال

تلوار کو اٹھا کے پکارا علی کا لال ہاں اب ہماری ضرب کو دیکھ اوزبوں خصال

سب نشہ غرور جوانی اتر گیا

تلوار تھی کہ حلق سے پانی اتر گیا

قربان تیغ لخت دل بادشاہ دیں گزری کمر سے کاٹ کے زنجیر آہنیں

پاکھر درست تھی نہ سلامت تھا صدر زیں دو ایک ضرب میں تھا مع اسلحہ لعین

کانپا سمند پاؤں کو گیتی میں گاڑ کے

پھٹ کر گرے زمین پہ ٹکڑے پہاڑ کے

تکبیر کی صدا سے ہلے دشت و کوہ سار یاد آیا جبریل کو دست خدا کا وار

چلائے شاہ دیں کہ میں اس ضرب کے ثار فاقے میں تین دن کے یہ حملے یہ کارزار

بجلی گری ہے تیغ شقی پر چلی نہیں

افسوس ہے کہ آج جہاں میں علی نہیں

تو لاشقی نے سنتے ہی یہ گرز گاؤ سر اکبر نے دوش پاک سے لی ہاتھ میں سپر
 آیا ادھر سے گرز ادھر سے چلا تیر دو ہو گیا عمود مثال خیار تر
 گرز اس طرح نکل گیا پنچے سے چھوٹ کے
 سمجھے یہ سب زمیں پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے
 بھالا سنبھالا دشمن ایماں نے مل کے ہاتھ نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
 پہلے ہی بک چکا تھا ستمگرا جل کے ہاتھ بڑھتا نہ تھا جو پاؤں تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
 کم تھے نہ یہ بھی زور میں گو وہ زیاد تھا
 نیزے کے بند بند کا توڑ ان کو یاد تھا
 رکھ کر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور تھرا کے خود اماں نے صدا دی کہ الحذر
 بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر یہ بھی ادھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
 جاتا کدھر وہ تیغ سے جاے اماں نہ تھی
 دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں نہ تھی
 بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند کھولے تمام نیزہ بیداد گر کے بند
 پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجھلا کے پھر کمند سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
 گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
 حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے میں کٹ گئے
 ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کہاں میں تیر تیر افگنی میں شہرہ آفاق تھا شریر
 سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر چلہ کٹا کہاں کا زہے تیغ بے نظیر
 قربان زور ضربت نصرت نشان کے
 کھل کر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے
 خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کہاں نیزہ اٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں
 سیر ادھر اٹھی تھی کہ چمکی ادھر سناں بھالے کی نوک جھونک نئی تھی نئی تکان
 سہا یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
 ناوک زمیں پہ تھا تو کہاں آسمان پر

ہاں اے محیط طبع روانی دکھا مجھے پیری میں زور و شور جوانی دکھا مجھے
 ہاں اے زبان سیف زبانی دکھا مجھے اے نطق آج سحر بیانی دکھا مجھے
 تلواریں کھنچ گئیں دم تیغ آزمائی ہے

آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے

اے تیغ بادشاہ نجف شعلہ بار ہو اے شہسوار مستعد کارزار ہو
 اے برق طبع کوند کے گردوں کے پار ہو اے سیف خامہ دو زباں ذوالفقار ہو
 ہاں معرکہ ہے بن کے لڑائی بگڑ نہ جائے
 چوٹیں نئی ہوں سب کوئی مضمون لڑ نہ جائے

ہاں غازیو دکھاتا ہوں تصویرِ حرب گاہ غل ہو درود کا عوض شور واہ واہ
 تولے ہے تیغ ادھر پسر شاہ دیں پناہ آمادہ نبرد ادھر ہے وہ روسیہ
 دونوں کو معرکہ میں تمنا ہے جنگ کی
 باگیں اٹھی ہوئی ہیں کیت و سرنگ کی

دوزخ ادھر ہے خلد بریں کا چمن ادھر کانٹے ادھر ہیں لالہ رخ و گلبدن ادھر
 کافر ادھر شبیہ رسولِ زمن ادھر مرحب ہے اس طرف شہ خیر شکن ادھر
 باطل چلا جہاں سے کہ حق کا ظہور ہے
 جو نار ہے وہ نار جو ہے نور نور ہے

عاری ہیں تیغ زن شہ مرداں کے سامنے گل ہیں چراغ مہر درخشاں کے سامنے
 کیا سحر سامری بن عمراں کے سامنے کیا مور کی بساط سلیمان کے سامنے
 آہو کا اور شیر کا انداز اور ہے
 حقا کہ سحر اور ہے اعجاز اور ہے

دو بجلیاں سی کوند کے گرتی ہیں بار بار ڈھالوں کے پرزے اڑتے ہیں اور ہو رہے ہیں وار
 طاؤس ہیں ہرن ہیں چھلاوا ہیں راہوار لشکر ہے اک زباں کہ یہ جرأت ہے یادگار
 غالب یہی ہیں گو وہ قوی تر ہے گیو سے
 غل ہے کہ لڑ رہے ہیں ید اللہ دیو سے

بڑھتا ہے مثل تیغ ادھر سے یہ نامور دب دب کے پیچھے ہٹتا ہے وہ صورت پر
یوں نعرہ زن ہے غیظ میں شبیر کا پسر یہ اضطراب جنگ میں ظالم ٹھہر ٹھہر
حملے تو دیکھ رخ سے جھلم کو اتار کر

او روسیہ آنکھ تو شیروں سے چار کر
کٹ کٹ کے وار کرتا تھا پیہم وہ روسیہ پر ان کی تیغ سے کہیں ملتی نہ تھی پناہ
روباہ وہ یہ لخت دل ضیغم الہ جن کے غلام ملک شجاعت کے بادشاہ
زیبا ہے برق شعلہ فشاں مین کے لیے
تیغ ان کے واسطے ہے یہ ہیں تیغ کے لیے

اس دوپہر کی دھوپ میں تیغوں کی وہ ڈلک دو بجلیاں سی کوند رہی تھیں تہہ فلک
حیرت میں تھے زمیں پہ بشر چرخ پر ملک مثل علی جھپکتی نہ تھی شیر کی پلک
رخ پر ہر اس کچھ دم جنگ و جدل نہ تھا

تلوار چل رہی تھی پہ ابرو پہ بل نہ تھا
گھاتیں ہزار کرتا تھا وہ لاکھ مکرو زور لیکن کہاں چراغ کہاں مہر دیں کا نور
اوجھڑ سپر کی ہے جو اٹھائے سر غرور بولے تو موت کا بھی تماچہ نہیں ہے دور
سچ کہتے ہیں ہر اس میں کیا زور چل سکے
پنچے میں شیر کے ہو تو کیونکر نکل سکے

شانہ کٹا سپر سے بچایا جو اس نے سر ٹکڑے اڑے جھلم کے ہٹی منہ سے جب پر
چار آئے میں جسم تو محفوظ تھا مگر سارا چھنا ہوا تھا زرہ کی طرح جگر

تاب و تواں کو حرب میں ہارا ہوا تھا وہ

تیغ زباں کے زخم کا مارا ہوا تھا وہ

خالی گئیں منجھی ہوئی چوٹیں جو اس کی سب منہ کو پھرا پھرا کے شقی کاٹا تھا لب

تلوار کو اٹھا کے پکارا یہ شیر تب ہشیار اولعیں اجل آتی ہے سر پہ اب

مہلت ابھی ہے تیغ و سپر کو سنبھال لے

باقی ہو کچھ ہوس تو اسے بھی نکال لے

بولا سپر کو فرق پہ رکھ کر وہ پر غرور پھینکتا ہے تن یہ دھوپ سے ہے پیاس کا وفور
میداں کرہ ہے نار کا اے کبریا کے نور بھڑکی ہے آگ سینے میں اک صورت تنور

ہر چند ہاتھ دھوئے ہوں اپنی حیات سے
مل جائے گر تو پی لوں میں پانی فرات سے

تکوار روک کر یہ پکارا وہ لالہ فام تو نے سنا تو ہوگا کہ ہم بھی ہیں تشنہ کام
تکوار روکنے کا نہ تھا گرچہ یہ مقام پر خیر پی لے نہر سے پانی کا بھر کے جام

فیاض ہیں کریم ہیں ابن کریم ہیں

دشمن پہ رحم کرتے ہیں ہم وہ رحیم ہیں

خنداں ہوئے شقی پہ لب تیغ جانگداز بڑھ کر زبان طعن سناں نے بھی کی دراز
آواز دی کہاں نے زہے شان بے نیاز سو فار نے صدا دی کہ سرکش ہے حیلہ ساز

ہے خوف ضرب تیغ سے طالب پناہ کا

بولی سپر کہ پھر گیا رخ روسیاء کا

لے آیا آب سامنے خادم بصد شتاب پانی پہ گر پڑا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
ظالم نے سامنے جو پیا ڈگڈگا کے آب پیاسے تھے تین دن سے ہوا دل کو اضطراب

ترپا جو قلب چشم کے ساغر چھلک پڑے

اٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

سیراب ہو چکا جو وہ سفاک و بد گہر کی عرض کیجے آپ بھی پانی سے حلق تر
فرمایا تشنہ لب ہیں شہنشاہ بحر و بر آب حیات ہو تو پییں ہم نہ بے پدر

ڈوبے ہوئے ہیں چشمہ کوثر کی چاہ میں

یہ آب نہر خاک ہے اپنی نگاہ میں

شبیر نے جو دور سے دیکھا یہ ماجرا دو چار گام بڑھ کے یہ بیٹے کو دی صدا
اے مرجبا رسول کے ہمشکل مرجبا سیراب سلسبیل سے تم کو کرے خدا

کیونکر نہ صبر و شکر میں ایسا کمال ہو

کیونکر نہ ہو کہ ساقی کوثر کے لال ہو

تسلیم کر کے شہ کو بصد عجز و انکسار مثل اسد شکار پہ آیا وہ شہسوار
 نعرہ کیا کہ او سگ بزدل ستم شعار ہاں اب تو تازہ دم ہے اٹھا تیغ آبدار
 ہٹتا ہے کیوں عرب کی حمیت کو تو نہ کھو
 پانی تو پی چکا ہے بس اب آبرو نہ کھو
 سن کر برس پڑا وہ جفاکار و بد گہر رد کر کے سارے وار بڑھا شاہ کا پسر
 لہرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہی ظفر مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریب سر
 چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
 اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو
 دو ہو کے گر پڑا جو برابر وہ پہلواں جبریل پر اٹھا کے پکارے کہ الاماں
 نکلی زمیں میں ڈوب کے شمشیر خونچکاں تکبیر کہہ کے جوش میں جھوما وہ نوجواں
 افلاک سے گزر گئی ساونت کی صدا
 آئی خدا کے عرش سے احنت کی صدا

بند: ۱۵۶-۱۵۷ صفحہ ۳۴۳-۳۴۷ جلد ۲

مطلع: جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا

دو حریفوں کی جنگ کے جو تفصیلی نقشے انیس نے کھینچے ہیں وہ خود ظاہر کرتے ہیں کہ
 انیس شمشیر زنی، نیزہ بازی کے فن خوب جانتے تھے۔ حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کا
 بیان ہے کہ میر نفس نے ان سے خود کہا تھا کہ میر انیس کو ہاتھ تلوار کے رواں تھے۔ میں نے
 بھی یہ فن سیکھا ہے لیکن مجھ کو صرف (?) ہاتھ رواں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انیس خود
 فنون جنگ سے واقف نہ ہوتے تو وہ جنگ کے ایسے سچے نقشے نہ کھینچ سکتے۔

پڑھ کر رجز دلیر در آیا سپاہ میں گویا جھپٹ کے شیر زر آیا سپاہ میں
 ہلچل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں خیر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
 بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
 پہلے ہی وار میں صف اول تمام تھی

دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے پانچ اس طرف پہنچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے جب برق تیغ کوند گئی سر برس گئے

چھایا تھا ابر غم سپہ بد صفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشت حیات پر

جوہر شناس تیغ زباں منہ ادھر کریں تیزی کو حرف حرف کی مد نظر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں مصرعے وہ جانگزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں

بیٹوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے

بین السطور تیغ حسینی کی ناب ہے

درپے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغ جاں ستاں گوشوں سے تھی بلند صداے اماں اماں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کماں گردن سے سر رگوں سے لہو اور بدن سے جاں

یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا

رن میں کہیں نشاں قدر انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا برچھی سے پھل تو زین فرس سے تبر لیا
ڈھالوں سے پھول لے گئی پھولوں سے زر لیا اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا

بہر حصول جزیہ جو وہ تیغ تل گئی

اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی

ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر کالے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر
ہر اک عقاب تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پر طاقت نہ تھی کہ شاخ کماں تک کریں گذر

اس جنگ میں دہن کو نہ سو فار کھولے تھے

طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف

پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف پر کالے اڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف

خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی

انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

جی سننا گئے وہ جدھر سن سے آگئی گویا سموم کوہ کے دامن سے آگئی

جلتے ہوئے کباب کی بوتن سے آگنی چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آگنی

کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی

خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل طپیدہ تھی

ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ اڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ

سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ وہ معرکہ رہا اسی گل پیرہن کے ہاتھ

پہنچا تھا ہاتھوں ہاتھ جو دست خدا کا زور

ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور

رن میں جسے تھے دلبرِ ضرغام دیں کے پاؤں سچ ہے کہیں اکھڑتے ہیں رکن رکیں کے پاؤں

دہشت سے اٹھ گئے تھے سپاہِ لعین کے پاؤں تھمتی نہ معرکہ میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں

جس دم وہ حرب و ضرب اسے یاد آتی ہے

یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے

دب کر سوارِ شام کے لشکر کے رہ گئے خالی صفوں میں سرد نفس بھر کے رہ گئے

روحیں کہاں کی ڈھیر تن و سر کے رہ گئے ہر چند سنگدل تھے پہ مرمر کے رہ گئے

تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی

اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا

سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا

ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا

عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا سرتن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا

بڑھ کر تھمی تو حشر بپا ہو کے رہ گیا گردن سے تا کمر کوئی لاہو کے رہ گیا

تھا ایک ہاتھ میں سر اسوارِ زین پر

رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

غیظ آگیا یہ سن کے شہ نامدار کو کھینچا کمر سے مثل علی ذوالفقار کو
جلوہ دیا جو صاعقہ شعلہ بار کو دہشت سے تب چڑھی فلک بے مدار کو
سب کو یقین ہوا کہ دو عالم الٹ گئے

روح الامیں بھی چھوڑ کے سدرہ کو ہٹ گئے

نعرہ سے دشت گونج گیا ہل گئے جبال جھکتے تھے بار بار درختوں کا تھا یہ حال
شیروں کے تن پہ ڈر سے کھڑے ہو گئے تھے بال دیکے ہوئے تھے چوکڑی بھولے ہوئے غزال
جنگل سے کوہ تک جو شرراڑ کے آئے تھے

دہشت سے اڑ رہے بھی دم اپنا چرائے تھے

چمکی ادھر تو تیغ شہنشاہ قلعہ گیر کوندا ادھر زمیں پہ سمند فلک میر
شوخی میں بے بدل تھا فراست میں بے نظیر کی تیز رونے جست کہ نکلا کماں سے تیر
صر صر بھلا رکی ہے کبھی اونچ نیچ میں

اترا صفوں کو پھاند کے لشکر کے بیچ میں

بجلی گری کہ تیغ شہ بحر و بر چلی نکلی کمر سے بڑھ کے تو بالائے سر چلی
پہنچی شکست ادھر یہ عدو کش جدھر چلی آگے چلی جو فتح تو پیچھے ظفر چلی
گر گر کے پائمال زبردست ہو گئے

لشکر کے سر بلند جواں پست ہو گئے

ڈھالیں اٹھا کے جب وہ ستم کی گھا بڑھی مانند برق کوند کے یہ جانگزا بڑھی
ہر سو اٹھا یہ شور کہ سیل فنا بڑھی وہ کیا بڑھی کہ کھولے ہوئے منہ قضا بڑھی
آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا

گویا چھری لیے ملک الموت ساتھ تھا

بازو کسی کا تن سے جدا تھا کسی کا سر دو تھا بشکل لا کوئی گردن سے تا کمر
کوئی تڑپ رہا تھا ادھر اور کوئی ادھر بیٹے سے چھٹ گیا تھا پدر باپ سے پر
بھاگڑ میں اہل ہوش بھی سب بے حواس تھے

زندہ جو تھے وہ کشتہ تیغ ہراس تھے

اک وار روکنا انھیں دشوار ہو گیا دو ہاتھ جس جواں پہ چلے چار ہو گیا
جو آزمودہ کار تھا بیکار ہو گیا کٹ کر سروں کا کھیت میں انبار ہو گیا
ہر صف لہو کے آنسوؤں سے روکے رہ گئی

ساری ستم کی کشت درو ہو کے رہ گئی

حق نے دیا تھا تیغ علی ولی کو جس آفت تھی اس کی باڑھ، قیامت تھا اس کا کس
پیدل تھے اس وچپ تو پیادے تھے پیش و پس لیکن وہ جب چلی نہ چلا کچھ کسی کا بس
سر ان کے اڑ گئے جنھیں دعویٰ جدل کا تھا

روکے سپر کے وہ تمانچہ اجل کا تھا

جس صف پہ جس پرے پہ وہ خونخوار چل گئی ساتھ اس کے دشمنوں کے سروں پر اجل گئی
گویا چمک کے برق گری اور نکل گئی کشتے تو کیا ز میں بھی حرارت سے جل گئی
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے

شعلے پناہ مانگتے تھے اس کی آنچ سے

بھڑکی تھی آگ ظلم کے جنگل میں ہر طرف اک الاماں کا شور تھا مقتل میں ہر طرف
لامع تھی تیغ ظلم کے بادل میں ہر طرف گرتی تھی برق کوند کے ہر دل میں ہر طرف
گر گر کے نار گرم پہ ناری پھڑکتے تھے

تن سے لہو نہ اڑتا تھا شعلے بھڑکتے تھے

تکبیر کی صدا تو ادھر سے بلند تھی فریاد آہ لشکر شر سے بلند تھی
موج آب ذوالفقار کی سر سے بلند تھی ندی لہو کی رن میں کمر سے بلند تھی
سب خوں گرفتہ کشتہ تیغ عذاب تھے

موجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے

غل تھا علی کی تیغ کا منہ ہے کہ قہر ہے دم خم میں گھاٹ باڑھ میں یکتا ہے دہر ہے
لوہے میں اس کے آگ ہے پانی میں زہر ہے تلوار میں لچک نہیں افعی کی لہر ہے

دل کانپتا ہے کون اجل سے دو چار ہو

اس کی ہوا لگے تو کلیجے کے پار ہو

رستم بھی اس کے منہ پہ ٹھہرتا نہیں کبھی ڈوبے جو گھاٹ پر وہ ابھرتا نہیں کبھی
وہ زخم ہے اسی کا کہ بھرتا نہیں کبھی زہر اس کا جب چڑھا تو اترتا نہیں کبھی

جنات اس کے سائے سے پرہیز کرتے ہیں

یہ وہ بلاے بد ہے کہ ساحر بھی ڈرتے ہیں

چمکی وہ جب تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑے گھوڑوں سے ڈر کے خاک پہ اسوار گر پڑے
سرکٹ کے پانچ سات کے اک بار گر پڑے آگے سے دو جو بھاگ گئے چار گر پڑے
کس اس کا دیکھ لیتے تھے وہ جن میں کھوٹ تھی
تکوار کی بھی چار پہ ہر وقت چوٹ تھی

بند: ۹۲-۱۰۵ صفحہ ۱۸۱-۱۸۲ جلد

مطلع: یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو

دیکھو کاشف الحقائق صفحہ ۲۹۸، ۳۰۶، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۸۳، ۴۸۴

شبلی کی رائے ہے کہ انیس نے رزمیہ کو جس کمال کے درجے تک پہنچا دیا اس سے اردو
شاعری گو فارسی کی برابری نہیں کر سکتی مگر عربی سے پیچھے نہیں رہی۔ آگے چل کر پھر لکھتے ہیں۔
انیس لڑائی کے کرتب اور ہنر اس تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ عربی اور فارسی میں اس کی نظیر
نہیں مل سکتی۔



۲۰۔ بین

میر انیس بین بالعموم مختصر لکھتے ہیں، ان کے طویل بین بہت ہی کم ملیں گے۔ وہ سخت بین لکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے مخاطب صحیح عوام نہیں بلکہ لطیف جذبات کے لوگ تھے جن پر بقول حالی ”بے محل رونا اتنا اثر نہیں کرتا جتنی با محل اک آہ“ بعض مرثیوں میں بین مطلق نہیں ہیں مثلاً مراٹھی ذیل:

ع: جب نو جواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا

ع: جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا

ع: یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو

جو لوگ لطیف جذبات رکھتے ہیں وہ سخت مظالم کے بیان اور سخت بین پر نہیں روتے بلکہ جہاں جہاں ان کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے ان کے آنسو نکل آتے ہیں۔ میر انیس اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں۔

اشک کیا نکلیں کڑے احوال پر

سنتے سنتے قلب پتھر ہو گئے

ص ۲۵ جلد ۴۔ ش ۳

اگرچہ انیس بین سخت نہیں لکھتے لیکن ان کے مرثیے کے اور مقامات میں وہ درد بھرا ہوتا ہے جو دوسروں کے یہاں بین میں بھی نہیں ہوتا اور رخصت بالخصوص نہایت پر اثر ہوتی ہے۔
مثلاً

سنبل سے نظر آئے جو اڑتے ہوئے گیسو پہچان کے اکبر کو پکارے شہ خوشخو

بابا تری جرأت پہ فدا اے مرے مہ رو شاہاش مرے شیر مرے قوت بازو

گھبراؤ نہ گو فوج ستم چھاگئی بیٹا

حیدر کی لڑائی ہمیں یاد آگئی بیٹا

ناگاہ یہ دیکھا کہ چلا نیزہ خونخوار چلائے شہ دیں کہ مرے لال خبردار

یاں سینہ اکبر سے ہوئی نوک سناں پار تھرائے کلجے کو پکڑ کر شہ ابرار

پھل برچھی کا چھاتی سے نکلتے ہوئے دیکھا

خون سینہ انور سے ابلتے ہوئے دیکھا

ان دونوں بندوں میں انیس نے وہ دردناک منظر دکھایا ہے کہ امام حسین حضرت علی

اکبر کو دیکھنے کے اشتیاق میں میدان جنگ میں جاتے ہیں۔ بیٹے کو زخم اعدا میں گھرا ہوا دیکھتے

ہیں اور جرأت کی تعریف کر کے دل بڑھانا شروع ہی کرتے ہیں کہ ایک نیزہ سینہ اکبر کے پار

ہو جاتا ہے۔ یا ذیل کے بند:

غش میں سنا جو نہیں علی اکبر نے ماں کا نام کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوے خیام

سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پر میہمان ہے

امداد یا حسین کہ پانی میں جان ہے

فرمایا شہ نے اے علی اکبر میں کیا کروں پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں

گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں

اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں

بیٹا تمھاری ساقی کوثر مدد کریں

بند: ۱۶۲-۱۶۳ صفحہ ۳۷۸-۳۷۹ جلد ۱

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

مذکورہ بند میں ایک انتہائی بے بسی کا منظر پیش کرتے ہیں کہ جوان بیٹا وقت آخر پیاس

سے جاں بلب ہو کر پانی مانگتا ہے اور باپ مجبوری ظاہر کرتا ہے۔ ان بیانات میں وہ درد و اثر

ہے جو دوسروں کے یہاں بین میں بھی مشکل سے ملتا ہے۔

لاش علی اکبر پر حضرت زینب کے بین
 لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
 یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
 نکلی حرم سے ایک زن فاطمہ جمال
 گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال
 تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
 حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
 اے آسماں وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
 اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف
 اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
 ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
 میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
 ہے ہے مرے غریبی کے پالے کدھر ہے تو
 داری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
 کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
 اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
 اے نور عین کس کی نظر کھاگئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
 خوش رو جوان غریب جوان مہ جبیں جوان
 صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
 کس نے تجھے مڑوڑ لیا اے حسین جوان
 آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے مسن نہ تھے
 بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

بند: ۱۶۵-۱۶۸-صفحہ ۳۷۹ جلد

مطلع: کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

نوشاہ کے لاشے پر دلہن کے بین

گئے روتے ہوئے ناچار شہ جن و بشر
 دیکھ بیٹے کو پچھاڑیں لگی کھانے مادر
 لاش داماد کی مسند پہ لٹادی لاکر
 خاک پر بانوگری تھام کے ہاتھوں سے جگر

شرم سے منہ بھی نہ رونے کو دلھن ڈھانپتی تھی
 بید کی طرح سے سر تا بقدم کانپتی تھی
 آکے تب زینب بیکس نے کہا یہ رو رو شرم اب کیسی ہے واری گئی گھونگھٹ الٹو
 رائڈ ہو خاک تم اس چاند سے چہرے پہ ملو بولی وہ ہائے پھوپھی جان یہ کیا کہتی ہو
 یہ مجھے چھوڑ گئے خاک اڑانے کے لئے
 کیا بنایا تھا دلھن رائڈ بنانے کے لئے
 بین یوں کرنے لگی لاش پہ پھر وہ دکھیا ہاے اے ابن حسن مجھ سے یہ تم کر گئے کیا
 آہ ہستی سے سوے خلد سدھارے تنہا اور دلھن کو بھی نہ خدمت کے لئے ساتھ لیا
 وجہ آزر دگی کی کیا تھی جو منہ موڑ گئے
 آپ جنت کو گئے مجھ کو یہاں چھوڑ گئے
 میرے وارث مرے والی میں تمہارے قرباں میرے بابا کے لئے خوں میں ہوئے تم غلطاں
 چاندی چھاتی پہ ہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشاں کیا کروں ہاے نکلتی نہیں تن سے مری جاں
 دیکھتی ہوں میں جو قسمت مجھے دکھلاتی ہے
 بدنصیبوں کو بھلا موت کہیں آتی ہے
 کہہ کے یہ کھول دیئے گوندھے ہوئے سر کے بال خاک پر ماتھے سے سہرے کو دیا توڑ کے ڈال
 کہتی تھی رو رو کے اے سید مسموم کے لال تم ہوئے قتل ملا خاک میں میرا اقبال
 بدتر از موت ہے مجھ رائڈ کا جینا صاحب
 کس طرح کانٹوں کی بچپن کا رنڈا پا صاحب
 تم نے تو قتل کے میداں میں کٹائی گردن سمجھیں گے اب مجھے بے وارث و بیکس دشمن
 باندھیں گے کنگن کی جادست حنائی میں رس کوفہ و شام میں سر ننگے پھرے گی یہ دلھن
 سر عریاں پہ ردا لاکے اڑھائے گا کون
 قید سے آپ کی بیوہ کو چھڑائے گا کون

لاش سے دولہا کی پھر کہنے لگی وہ رو رو رات کے جاگے تھے بس سوچے خوب اب تو اٹھو
 بیاہ کا جوڑا تو پہنے ہوئے دیکھا مجھ کو اب پہنتی ہوں میں رنڈ سالے کا جوڑا دیکھو
 والی حق میں مرے کچھ تم نہیں فرماتے ہو
 سادے کپڑے نئی دلہن کو پہناتے ہو
 کہہ کے یہ اوڑھنی سر پر سے اتاری رو کر اور اڑھایا اسے دولہا کے تن زخمی پر
 کہتی تھی پیٹ کے سر اے مرے بیکس شوہر دے گا ہے کو کفن تم کو کوئی بد اختر
 یہ نشانی تمہیں میں سوختہ تن دیتی ہوں
 اپنے سر کی تمہیں چادر کا کفن دیتی ہوں

بند: ۴۹-۵۰ صفحہ ۲۵۰ جلد ۲

مطلع: مذکور الصدر

جس دم دلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ نکلی لبو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
 قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشک ماہ میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ
 بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
 اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں
 اے پارہ دل حسن اے فدیہ حسین کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
 کیا کہہ کے روؤں اٹھ گیا اب تو جہاں سے چین بیوہ کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
 دولہا بنے تھی قبر میں سونے کے واسطے
 چھوڑا دلہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
 صاحب بتا تو دو تمہیں رونے میں کیا کہوں بیکس کہوں کہ فدیہ راہ خدا کہوں
 پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں دولہا کہوں کہ قاسم گلگوں قبا کہوں
 ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
 اک شب کی رائڈ دولہا کو کیا کہ کے روتی ہے

حضرت عباس کی بیوہ کے بین

اللہ رے دلخراش علی کی بہو کے بین سکان آسمان وزمیں کو بھی تھا نہ چین

چادر پڑی تھی منہ پہ کہ تھے سامنے حسین تھامے تھی ہاتھ خواہر سلطان مشرقین
مکڑے تھے تیغ غم سے دل سوگوار کے

حکم حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے واں سے امام دیں اس وقت ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں
منہ کر کے سوے نہر پکاری وہ دل حزیں صاحب حسین روتے ہیں تم کو خبر نہیں

جنگل بسا دیا شہ والا کو چھوڑ کے

صاحب کہاں چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

صاحب سیکنے جان بلکتی ہے آئیے کانٹے زباں کے دیکھ کے آنسو بہائیے
قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے صدقے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے

الفت کے دلہی کے منانی نہ چاہیے

صادق ہیں آپ وعدہ خلائی نہ چاہیے

کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الدیار ہوں
جان علی ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں

جنگل میں چھوڑیے نہ مجھے ہاتھ تھام کے

بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

والی کہاں یہ رائے قیموں کو لے کے جائے اس کربلانے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
اب گھر سے کام کیا جو رضا سوگوار پائے سر پیٹتی ہوئی لب دریا کنیر آئے

کیا اس کی زندگی جسے وارث سے یاس ہو

میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا خضران کو مل گئے علم سبز کیا ملا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا تھی جس کی آرزو ہمیں عہدہ وہی دیا

صدقے سے شہ کے جعفر طیار ہم ہوئے

صاحب تمہیں خبر ہے علمدار ہم ہوئے

میں نے بلائیں لے کے پس از تہنیت کہا آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا

سردار فیض بخش علمدار باوفا بولے یہ سب حسین کی ہے شفقت و عطا

کیا کیا نوازشیں ہیں امام غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

کہتے تھے شب کو بھر کے دم سرد دمبدم تم ہم کو چاہتی ہو تمہیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو بنار شہ امم گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا ہے الم

کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیر حق کے لال بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بو آپ کو کمال اس نے تمہارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال

اب وصل کے ہیں دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی دشت میں راتیں فراق کی

صاحب تمہیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوب جا دریا کا قرب سرد ترائی خنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا بستر کو خالی دیکھ کے گزرے گی مجھ پہ کیا

ترپوں نہ کس طرح کہ نئی واردات ہے
صدقے گئی فراق کی یہ پہلی رات ہے

ہے ہے مرے نصیب کہ تم سے پچھڑ گئی غم ہے کہ کیوں نہ میں دم رخصت بگڑ گئی
کن راحتوں میں تھی کہ مصیبت میں پڑ گئی والی مجھے بلاؤ کہ دنیا اجڑ گئی

کیا راہ و رسم ہے یہی دنیاے زشت میں
لونڈی تو قید خانے میں صاحب بہشت میں

کیونکر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی میری ہی خاک قابل خاک شفا نہ تھی
اتنا گلا ہے بس کہ یہ غفلت روا نہ تھی کیا پانکٹی بھی اک مرے بستر کی جانہ تھی

بے وجہ خیر خواہ سے منہ موڑتے نہیں
ساتھی برا بھی ہو تو اسے چھوڑتے نہیں

یوں منہ کا موڑنا تو طریق وفا نہیں صدقے گئی مرا تو کوئی آسرا نہیں

کیونکر تھے جہاز موافق ہوا نہیں منجدھار میں تو ناؤ ہے اور ناخدا نہیں
 دیتی ہوں واسطہ میں شہ مشرقین کا
 والی مجھے نباہ لو صدقہ حسین کا
 صاحب تمہیں سکینہ ناشاد کی قسم صاحب تمہیں مصیبت سجاد کی قسم
 تم کو حسین کشتہ بیداد کی قسم تم کو ہمارے نالہ و فریاد کی قسم
 جب تم نہیں تو خاک ہے دنیاے زشت میں
 مجھ کو بھی اپنے ساتھ بلاو بہشت میں

بند: ۱۳۲-۱۳۵ صفحہ ۳۰۱-۳۰۲ جلد ۲

مطلع: جاتا ہے شیر پیشہ حیدر فرات پر

بین لکھنے میں انیس کے کمال اور حفظ مراتب کے لحاظ کو خراج عقیدت پیش کرتے
 ہوئے طباطبائی لکھتے ہیں۔ ”اہلبیت میں ایک بی بی دختر زہرا ہیں، ایک خاتون کسریٰ کی پوتی
 ہیں۔ دونوں کے ماتم اور بین کرنے کی شان علاحدہ علاحدہ ہے۔“

(طباطبائی، مراثی انیس جلد دوم صفحہ ۵۱۹)



۲۱۔ مقطع

ایک زمانے میں قاعدہ تھا کہ جس امیر کے یہاں کوئی مرثیہ پڑھتا تھا اس کے لیے مرثیے کے اختتام پر ایک بند میں دعا کرتا تھا۔ دلیکیر کا مرثیہ ع:
تنہائی سے صغرا کا عجب حال ہوا ہے

بند ۴۵:

یارب یہ دعا کرتا ہوں میں بادل بیتاب یہ محسن دوراں کہ عدیل اس کا ہے نایاب
ہے معتمد بارگہ حضرت نواب روشن رہے یہ خلق میں جوں مہر جہاں تاب
سایہ ہو سدا اُس پہ شہنشاہ عرب کا
سب اس کے ہوں محکوم یہ حاکم رہے سب کا

ع: جب خاتمہ بالخیر ہوا فوج خدا ۹۸۔ بند کا یہ مرثیہ ہے
اب میری دعا یہ ہے کہ اے قاضی حاجات یہ منتظم الدولہ جو ہے محسن سادات
کرتا ہے بہت شہ کے محبوب کی مدارات اور ماتم سرور میں سدا کٹتے ہیں اوقات
بدخواہ جو اس کا ہے اسے خلق سے رد کر
صدقہ شہ مظلوم کا جلد اس کی مدد کر
انیس کسی مخصوص شخص کے لیے اس طرح عموماً دعا نہیں کرتے، البتہ عام مومنوں کے
لیے، عزاداروں کے لیے اکثر دعا کی ہے۔
ہے وقت دعا حق سے انیس اب یہ دعا کر ان تعزیہ داروں پہ تو الطاف و عطا کر

جو حاجتیں ان لوگوں کی ہیں ان کو روا کر مقروض جو مومن ہیں تو قرض ان کا ادا کر
 محتاج نہ ہوں تیرے سوا اور کسی کے
 اور حشر میں ہوں ساتھ حسین ابن علی کے
 اب روک لے کیت قلم کی عنایں انیس بزم عزا میں سب ہیں ترے قدرداں انیس
 پیری ہے یہ سفر کا رہے دھیان ہاں انیس کیا جانے روانہ ہو کب کارواں انیس
 خیمے مسافران عدم نے نکالے ہیں
 جس قافلے میں تم ہو وہ سب چلنے والے ہیں
 صاف ظاہر ہے یہ مرثیہ میر انیس نے آخر عمر میں کہا ہے۔ وہی انیس جو اپنے ابتدائی
 مرثیوں میں قدردانوں کی کمی کی شکایت کرتے تھے اب کہتے ہیں۔
 بزم عزا میں سب ہیں ترے قدرداں انیس
 اب ان کو احساس ہے کہ ایک زمانہ ان کا قدردان ہے۔

حالی نے مقدمہ دیوان میں مندرجہ مقامات پر انیس یا مرثیے کا کچھ ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۵۰۔
 نصف آخر۔ صفحہ ۵۲۔ ۵۷۔ ۸۷۔ ثلث آخر۔ صفحہ ۱۲۸ نصف آخر۔ صفحہ ۱۲۹ نصف اول۔ صفحہ
 ۱۳۲۔ ۱۳۶ آخری دو سطریں۔ صفحہ ۱۳۷ نصف اول۔ صفحہ ۱۳۸ آخری پیرا گراف۔
 صفحہ ۱۳۹ نصف آخر۔ صفحہ ۱۵۰ پہلا پیرا گراف۔ صفحہ ۱۵۵۔ ۱۶۵۔

مقابلہ کرو۔ کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمد شباب۔ کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمد ایام شباب
 (نمک خوان)

امام حسین اور حضرت بانو کا صبر۔ جب غازیان فوج (نمک خوان تکلم)
 ”بعض مصرعے میر صاحب کے ایک زمانے سے مجھے یاد ہیں۔ یاد کیا دل پر نقش ہیں،
 وہ ان مطبوعہ مرثیوں میں نہیں ملتے ع: اتر اہوا چلہ ہے یہ ابرو کی کماں کا
 ع: پڑتا ہے دو گڑا کبھی جیسے اساڑھ میں (یہ چھپ چکا ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام تلف بھی ہو گیا ہے۔“

(طباطبائی۔ مراثنیٰ انیس جلد دوم صفحہ ۵۲۰)

”ساقی نامہ کبھی مرثیے میں میر صاحب نے نہیں کہا۔ ان کے بعد یہ ایجاد ہوا، اور

(طباطبائی۔ مراثنیٰ انیس جلد دوم صفحہ ۵۲۰)

بہت ہی بے تکا ثابت ہوا۔“



۲۲۔ فطرت انسانی کا علم

واقعات کے بیان میں، جذبات کے اظہار میں، سیرتوں کی تصویر میں انیس ہمیشہ فطرت انسانی کی مطابقت کرتے ہیں اور انسانی فطرت کے وہ رموز پیش کر دیتے ہیں جن تک عام لوگوں کا کیا ذکر بڑے بڑے شاعروں کی نگاہ بھی نہیں پہنچ سکتی۔

حضرت علی اکبر کی رخصت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ جب آپ خیمے میں گئے تو آپ کی والدہ جنگ میں دیر کرنے پر آپ سے ناراض ہوئیں اور فوراً میدان جنگ میں جانے کی اور لڑنے کی تاکید کی۔ حضرت زینب نے بھی آسانی سے جنگ کی اجازت دے دی۔ اس بیان میں انیس نے ایسے امور جمع کر دیے ہیں جو اس واقعے کو ممکن بنا دیتے ہیں۔ پھر بھی چونکہ حضرت شہر بانو اور حضرت زینب کا آسانی سے رضادے دینا مشکل سے سمجھ میں آ سکتا ہے اس لیے انیس نے احتیاط کے تقاضے سے جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امام کی دعا کا اثر تھا۔ اس بات کو بند ۳۳ کی بیت میں صاف صاف کہہ بھی دیا ہے۔ اس طرح ایک ایسی صورت پیدا کر دی کہ کسی طرح اعتراض کی گنجائش باقی ہی نہ رہی۔

فطرت انسانی کا جس حد کا علم انیس کے کلام میں ملتا ہے۔ شاید ہی دنیا میں کسی اور شاعر کے کلام میں مل سکے۔ ماں بیٹے سے خفا ہوتی ہے۔ پھوپھی بھتیجے سے ناراض ہوتی ہے۔ ماں بیٹے کو بہادری سے مرنے کی ترغیب دیتی ہے اور زندہ واپس نہ آنے کی تاکید کرتی ہے۔ مگر ان سب باتوں میں محبت مادری کی جھلک بھی ضرور دکھائی دیتی ہے۔ حضرت زینب علی اکبر سے خفا ہیں کہ اجازت جنگ انھوں نے مجھ سے کیوں نہ لی۔ بہت ناراض ہیں مگر انیس اس ناراضی کو دکھانے میں دو نہایت نازک باتوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ایک تو وہ انتہائی محبت جو

حضرت زینب کو علی اکبر سے تھی یعنی ایسی خفگی دکھاتے ہیں جو چاہنے والوں میں ہوتی ہے جس میں نفرت، بیزاری، اور بیگانگی کا اظہار نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ امر کہ ناراضی کس بنا پر ہے، مرنے کی رضا نہ لینے پر۔ یہ خفگی ویسی نہیں ہے جیسی مثلاً اس وقت ہوتی جب علی اکبر اپنی شادی کر لیتے اور پھوپھی کو نہ بلاتے۔ ان باریکیوں پر نظر رکھیے اور انیس کے کمال کی داد دیجیے۔ یا انتہائی بے کسی کے عالم میں جناب زینب کا جانور سے مدد چاہنا۔

چلائی اٹھ کے خاک سے نانا مدد کو آؤ بھائی مرا ہے تیغ تلے یا علی بچاؤ
اماں خدا کے واسطے تشریف جلد لاؤ یا مجتبیٰ حسین کو آغوش میں اٹھاؤ
ہے ہے کوئی نہیں جو سنبھالے حسین کو

اے ذوالجناح تو ہی بچالے حسین کو
اے ذوالجناح سبط نبی میں ترے ثار بچپن سے میرے بھائی نے تجھ کو کیا ہے پیار
قاتل ترے سوار کی چھاتی پہ ہے سوار تیرے سوا نہیں کوئی اس وقت غمگسار
میں بنت فاطمہ ہوں جو بھائی کو پاؤں گی
تیرے سموں کو آنکھوں سے اپنی لگاؤں گی

بند: ۱۲۷-۱۲۸ صفحہ ۱۷۱ جلد ۲

چلائیں سر کو پیٹ کے لٹہ کوئی آئے گھوڑے سے گرتا ہے مرا بچہ کوئی بچائے
ہے کون میرے نازوں کے پالے کو جو اٹھائے سولہ پہر کی پیاس میں یہ رنج ہائے ہائے
(۷۳- صفحہ ۲۱۳ جلد ۱ بیت)

آنے والے واقعات کا پر تو پہلے سے نظر آتا ہے۔
(مستقبل کا عکس حال کے آئینے میں)

زینب نے جب یہ سرور دیں سے سنا کلام محمل سے یوں پکاری کلیجے کو تھام تھام
کیوں چلتے چلتے روک لی یاں آپ نے لگام بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پر خطر میں اترنا تو قہر ہے

جنگل میں ہے بشر کے لیے سو طرح کا ڈر اٹھتے ہیں بار بار بگولے ادھر ادھر
دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کس طرح بسر لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر

بچے بھی مارے ہول کے تر ہیں پسینے میں

میرا تو دل ابھی سے اچھلتا ہے سینے میں

اس سرزمین کے گل نظر آتے ہیں مجھ کو خار نشتر سے کم نہیں رگ جاں کو یہ سبزہ زار

یہ باد تند تیری ہوتی ہے دل کے پار اس بن کی خاک سے مری خاطر پہ ہے غبار

کیا رنگ آگے دیکھیے قسمت دکھاتی ہے

یاں کی زمیں سے خون کی بوجھو آتی ہے

لوگو مجھے بتاؤ یہ دریا ہے یا سراب کا سے سروں کے ہیں کہ یہ ہیں ساغر حباب

موجوں کو دیکھ دیکھ کے ہے دل کو بیچ و تاب ڈوبا ہے کون شور ہے کیسا میان آب

دھاریں لہو کی مل گئیں دریا کی موج میں

لہریں یہ ہیں کہ چلتی ہیں تلواریں فوج میں

پوچھو کسی سے مسلم مظلوم کی خبر تربت مرے غریب مسافر کی ہے کدھر

بچوں کے اس کے کیا یہاں کاٹے گئے ہیں سر لاشے بہادیے اسی دریا میں کھینچ کر

رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھاتی ہے

اماں کے پیٹنے کی صدا مجھ کو آتی ہے

یوں نہر کی ترائی میں کوئی ہے نوحہ گر مرتا ہے جس طرح سے کسی کا جواں پسر

صاف آتی ہے صدا کہ فدا تجھ پہ ہو پدر یاں سوئے گا تو اے مرے عباس نامور

دوسواں کا مقام ہے جاگہ قلق کی ہے

پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیر حق کی ہے

غش کھا کے اب میں گرتی ہوں مجھ میں نہیں حواس عباس کو بلاؤ کہ آئیں بہن کے پاس

اصغر بلک رہا ہے سیکنہ کو ہے ہر اس خیمے یہاں ہوئے تو ہوئی زندگی سے یاس

نقشہ وہ پھر گیا مری چشم پر آب میں

ایسا ہی دشت تھا جسے دیکھا تھا خواب میں

زینب نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے بھائی تمہیں اللہ اس آفت سے بچائے
 خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
 وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتا
 مجبور ہوں دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتا
 آتا ہے سکیںہ کی یتیمی کا مجھے دھیان ہر وقت بھرا گھر یہ نظر آتا ہے ویران
 سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان
 بازو مرے کسے کو رسن لاتا ہے کوئی
 سر پر سے ردا چھینے لیے جاتا ہے کوئی
 منہ ڈھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر تو چاک گریباں نظر آتے ہیں پیمبر
 اماں کبھی چلاتی ہیں یوں کھولے ہوئے سر بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
 کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینب
 شبیر اسی رات کا مہمان ہے زینب

(۳۲-۳۳-صفحہ ۱۶۴ جلد ۱)

یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہ بحر و بر سینے سے سر کو کاٹ کے اترا وہ بد گہر
 فریاد کرتی رہ گئی زینب بچشم تر چلائی یہ سکیںہ کہ ہے ہے مرے پدر
 بانو کی چشم نم میں اندھیرا سا چھا گیا
 چادر گری جو سر سے بدن تھر تھرا گیا

۹۰ صفحہ ۴۱۴ جلد ۱

یہ کہہ کے پھرے اشک بھرے آنکھوں میں سرور آئے حرم پاک کے اونٹوں کے برابر
 محمل سے پکاری شہ مظلوم کی خواہر کیا آج اسی دشت میں رہے گا برادر
 سنتی ہوں جدھر گریہ و زاری کی صدا ہے
 بھیا مجھے بتلاؤ تو یہ کون سی جا ہے

آگے کوئی بستی نہیں کیا اے شہ عادل یہ دشت کسی طرح نہیں رہنے کے قابل
 صدقے گئی سینہ میں اچھلتا ہے مراد دل بچے بھی ہیں مہمے ہوئے کیسی ہے یہ منزل
 پہلو سے ذرا ماں کے جو ہمتی ہے سیکنہ
 ایک ایک سے ڈر ڈر کے لپٹتی ہے سیکنہ

(۶۶ - ۶۸ صفحہ ۹۹ جلد ۲)

یہ کہہ کے بلکتی تھی ید اللہ کی جائی جو گریہ زہرا کی صدا دشت سے آئی
 نینب نے پکارا کہ بہن صدقے ہو بھائی یہ کون سی بی بی ہے جو دیتی ہے دہائی
 کیا غل ہے بہن بھائی کا کیوں ساتھ چھٹے گا
 کس کا یہ چمن ہے کہ جو اس بن میں لٹے گا

۱۶۷ صفحہ ۱۲۱ جلد ۲

جھونکوں سے ہوا کے جواڑے پردہ محمل سینوں میں اچھلنے لگے سیدانیوں کے دل
 نینب نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل آفات سے محفوظ رکھے خالق عادل
 کچھ باد مخالف سے نہیں زور کسی کا
 طوفان میں نہ آجائے جہاز آل نبی کا

۸ صفحہ ۱۳۱ جلد ۲

نینب نے کہا شاہ سے باگریہ و زاری یہ کون سا صحرا ہے بہن ہوگئی واری
 منہ ڈھانپ کے میں روچکی ہوں یاں کئی باری گھبراتی تھی ڈر ڈر کے سیکنہ مری پیاری
 بانو کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
 کچھ دودھ سے اصغر نے بھی منہ پھیر لیا ہے

۳۳ صفحہ ۱۳۲ جلد ۲

نہب سے عرض کرتی ہے رو کر وہ دلفگار ہے ہے یہ شور نہر پہ کیسا ہے میں نثار
 کچھ دم الجھ رہا ہے نہیں قلب کو قرار گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
 خیر اب نہیں ہے خیر کے انداز اور ہیں
 بی بی یہ سب ہمارے رنڈا پے کے طور ہیں

۲۱۳ صفحہ ۱۶۴ جلد ۲

عون و محمد اظہار نسب میں اپنے بزرگوں کا نام لیتے ہیں۔ ہر نام کا فوج یزید پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔

اظہار نسب میں جو محمد کا لیا نام سب پڑھنے لگے صل علی صاحب اسلام
 آگے جو بڑھے نام علی لے کے وہ گلنام دل ہل گئے تھرانے لگا روم سے تا شام
 جعفر کا جو کچھ ذکر کیا بعد علی کے
 بحرے کو علم جھک گئے سب فوج شتی کے
 آغاز تھا ذکر شرف حضرت شبیر ڈنکے پہ ادھر چوب پڑی چلنے لگے تیر
 اس وقت بڑے بھائی سے کی چھوٹے نے تقریر تلوار علم کیجیے اب کس لیے تاخیر
 کہیے تو جدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
 اسواروں پہ ہم آپ کمانداروں پہ جائیں

۱۱۸-۱۱۹ صفحہ ۱۷۴ جلد ۱

گہہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانب علم بند صفحہ ۴ (علم ابھی کسی کو نہیں ملا ہے)
 نہ جانب علم تھی نہ ماں کی طرف نظر بند ۱ صفحہ ۵۰ (علم حضرت عباس کو مل چکا ہے)

لوگ اپنی اپنی فطرت کے مطابق ایک ہی واقعے سے مختلف اثر قبول کرتے ہیں۔

کچھ ہٹ گئے کچھ رونے لگے سن کے یہ گفتار تلواروں کو چمکا کے بڑھے کتنے جفا کار
 تیروں کی ادھر اور ادھر سے ہوئی بوچھار حیدر کے نواسے بھی بڑھے کھینچ کے تلوار

نیزے جو سواروں کے چپ دراس سے نکلے
دو نیچے بھی پرچہ الماس سے نکلے

۷۴ صفحہ ۱۸۹ جلد ۱

امام حسین حضرت عباس سے حضرت علی اکبر کی سفارش اس طرح کرتے ہیں جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ امام کے قلب کی اس خاص معاملے میں ایک خاص حالت ہے۔ ایک دل
کہتا ہے کہ رخصت دیں، ایک کہتا ہے کہ رخصت نہ ملے تو اچھا ہے۔

سر دینے کی اکبر کو جو عجلت ہو تو جائیں ہم خوش ہیں بھلا جا کے رضا ماں سے تو لائیں
گر ان کو گوارا ہو تو زینب کو رلائیں جنت میں پہنچ کر کہیں راحت بھی تو پائیں
دو دن سے مرے ساتھ گرفتار محن ہیں
اب ان کو نہ روکو یہ بہت تشنہ دہن ہیں

(۲۴ صفحہ ۲۲۳ جلد ۱)

حضرت عباس کی رخصت کے وقت آپ کی زوجہ کی حالت

چپ ہو گئی یہ سن کے سیکنے جگر افکار عباس دلاور نے سچے جنگ کے ہتھیار
بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہ ابرار تھرانے لگی زوجہ عباس علمدار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں منہ چاند سافق تھا

حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار غم تھا کہ یہ سب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افکار تکتی تھی کنکھیوں سے کبھی سوئے علمدار

بیٹابی میں دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو

عباس کی بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

منہ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارا شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا

صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا

ہر بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ

روتی ہو تو کبرا کی طرف دیکھ کے روؤ

بس دیکھ چکیں ہم کو اب آنسو نہ بہاؤ تسکین وہیں ہوگی تم اب رائیوں میں جاؤ
 اللہ تو ہے دھیان تباہی کا نہ لاؤ بچے ہیں بلکتے انھیں چھاتی سے لگاؤ
 دنیا سے کئی داغ جگر لے کے چلے ہیں
 ہم اپنی نشانی یہ پر دے کے چلے ہیں
 چپکے سے وہ کہتی تھی نہیں ضبط کا یارا بے خنجر و شمشیر مجھے آپ نے مارا
 یہ درد وہ ہے درد کہ جس کا نہیں چارا صاحب نہ ہوئے جب تو رہا کون ہمارا
 سینوں میں جگر داغ قیمتی سے جلیں گے
 بچے مرے کم سن ہیں یہ کس طرح پلین گے
 بھانج کی طرف دیکھ کے بولے شہ ابرار تم سے بھی نہ روکے گئے عباس علمدار
 سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افکار حضرت ہی رضا دینے نہ دینے کے ہیں مختار
 مالک مرے اور ان کے شہ عرش نشین ہیں
 بانو کی میں لونڈی یہ غلام شہ دیں ہیں
 کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں یا شاہ کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصت جنگاہ
 ماں کو علی اکبر کی سہاگن رکھے اللہ میری نہ محبت ہے نہ بیٹوں کی انھیں چاہ
 جو بھائی ہو کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو
 فخر اس کا جو زہرا کی کمائی پہ فدا ہو
 یہ آج کی شب چین سے دم بھر نہیں سوئے مگر زیر فلک جا کے دعا کی کبھی روئے
 دھڑکا تھا کہ پہلے نہ کوئی جان کو کھوئے مقتل میں علمدار فدا شاہ پہ ہوئے
 رخصت جو ملی اب تو انھیں عید ہوئی ہے
 لونڈی پہ نہ رونے کی بھی تاکید ہوئی ہے

۸۷-۹۴ صفحہ ۲۳۸-۲۳۹ جلد ۱

فطرت انسانی کے رموز:

عباس کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شبیر فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحب شمشیر

عباس علی رونے لگے سن کے یہ تقریر شہ نے کہا سمجھاؤ مرے بھائی کو ہمیشہ

آنسو نہ بہائیں یہ کہ دم گھٹتا ہے میرا

کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہے میرا

۳۶ صفحہ ۲۷۴ جلد ۱ مصرع ۲۱

بعض اوقات کسی واقعہ سے متضاد قسم کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ انیس ان موقعوں کو خوب سمجھتے ہیں مثلاً

خوش بھی ہوئے رونے بھی لگے سرور ذیشاں ہمشکل پیمبر سے کہا اے مہ تاباں

عرصہ نہیں تیار ہے سب فوج کا ساماں لاؤ علم فوج کو خیمے سے مری جاں

زینت ہے وہی فوج حسین ابن علی کی

سب کرلیں زیارت کہ نشانی ہے نبی کی

۷۰ صفحہ ۱۳۸ جلد ۲

سن کر یہ سخن یہیاں رونے لگیں ساری حضرت کے بھی اکبر کے بھی آنسو ہوئے جاری

بانوے دو عالم پہ یہ رقت ہوئی طاری غش ہوگئی اور ہوش میں آئی کئی باری

نہ دھیان سکینہ کا نہ اصغر کی خبر تھی

زینب پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر تھی

۷۱ صفحہ ۳۲۲ جلد ۱

سب کہتی ہیں زینب سے کہ اے بھائی کی شیدا کس طرح کے خط آئے یکا یک یہ ہوا کیا

پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لو اور وہ صحرا

کیا سوچ کے اس فصل میں شبیر چلے ہیں

بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہے پانی

اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی کس طرح جئیں گے اسد اللہ کے جانی

تو نسا ہوا بچہ کبھی جانبر نہیں ہوتا

جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے

غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے

اصغر کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو

گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھیں زینب نہیں بہنو کوئی چارا قسمت میں تباہی ہے تو کیا زور ہمار

گھر چھوڑ کے جانا بھی کسی کو ہے گوارا مجبور ہے مضطر ہے ید اللہ کا پیارا

ایام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں

غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں

جس دن سے ہوئی احمد مرسل سے جدائی دم بھر بھی مرے بھائی نے راحت نہیں پائی

ماں باپ چھٹے پہلی مصیبت وہ اٹھائی تنہا ہوئے جب زہر سے بیجاں ہوئے بھائی

راحت سے کسی رات کو سوئے نہیں شبیر

دن کونسا ایسا ہے کہ روئے نہیں شبیر

۱۸-۲۲ صفحہ ۸۲-۸۳ جلد ۲

عورتوں کی گفتگو اور ان کے جذبات

حضرت عباس کی رخصت کے وقت ایک مقام پر آپ کی زوجہ آپ کو روکنا چاہتی ہیں،

دوسرے مقام پر وہ خود آپ کو میدان میں بھیجنا چاہتی ہیں۔ دونوں مقام بالکل فطرت کے

مطابق ہیں۔ دوسرے مقام کی مثال:

کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکستہ حال کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال

جیتا ہے تم کو دیکھ کے خیر النساء کا لال نیکی بدی ہو کچھ تو کہیں شاہ خوشحال

بانو نے مرتضیٰ کی کمائی کو کھودیا

بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھودیا

نہیب یہ بولیں آپ کا وسواس ہے بجا کیونکر دلادے بھائی سے ان کو کوئی رضا

پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہے خدا تنہا نہ ہوں جناب شہنشاہ کربلا

موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکل کشائی کا

یہ چل بے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا

کہنے لگی یہ زوجہ عباس خوش صفات صاحب بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات

مشکیزہ لے کے گریہ نہ جائیں سوئے فرات پھر ننھے ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہوں

آگے جو کچھ سمجھوں کی رضا میں تو غیر ہوں



۲۳۔ ابتدائی اور انتہائی کلام

۱۔ انیس کے کلام میں ایسے مصرعے کہیں کہیں مل جاتے ہیں جو دبیریت کی شان دکھاتے ہیں۔

ع	بسم اللہ صحیفہ نصرت تھی اس کی تاب	۵۹ صفحہ ۲۹۳ جلد ۲
ع	گردش پہ جب آیا فلک شعبہ کردار	۱۸ صفحہ ۳۰۶ جلد ۲
ع	زیب چمن حسن تھا وہ سرو قباپوش	۳۸ صفحہ ۳۰۹ جلد ۲
ع	وہ قابض روح جسد اہل جفا تھی	۲۳ صفحہ ۳۰۹ جلد ۲
ع	عباس چلے کہہ کے تو کلت علی اللہ	۵۰ صفحہ ۳۱۰ جلد ۲
ع	شیریں رقصان صحف حسن بلاغت	۵ صفحہ ۲۲۹ جلد ۲

اسی سلسلے میں حسب ذیل بند دیکھو۔

عباس علی قبلہ ارباب وفا ہے خورشید سپہ کرم و لطف و عطا ہے
ثابت قدم جادہ تسلیم و رضا ہے شمشیر خدا ہے خلف شیر خدا ہے
کس شوق سے صدقے ہوا فرزند بنی کے
قربان علمدار حسین ابن علی کے

۱ صفحہ ۳۱۳ جلد ۲

عین اس کا وہ چشمہ ہے کہ فیض اس کا ہوا عام یہ علم کا آغاز ہے اور شرع کا انجام
باسے برکت اور الف اول اسلام ہے سین سعادت پہ اسی نام کا انجام
یہ اسم مقدس تو سعید ازلی ہے
اعلیٰ نہ ہو کیونکر کہ شریک اس کے علی ہے

بولی یہ عندلیب چمن پرور بتول طرہ وہی ہے سب پہ مہیسر چڑھے جو پھول
اے نخل باغ فیض و گل گلشن رسول داغ گل ریاض تمنا بدل قبول
شادی سدا نہیں چمن روزگار میں
روئے خزاں میں وہ جو ہنسا ہو بہار میں

۶۲ صفحہ ۳۳۴

جلتے رہیں کیونکر نہ مہ و خور سحر و شام ہے حسن کی آتش سے بھبھوکا رخ گلنار
خال اور خط شبیر وہ دانہ ہے تو یہ دام ہے سب دل عالم کی اسیری کا سرانجام
بنی کو تو دیکھو کہ عجب شوکت و شاں ہے
شبیر کے یہ حسن کے لشکر کا نشان ہے
یک جا جو مناسب تھے نہ دو مردم بیمار صانع نے اٹھائی ہے عجب نور کی دیوار
اک شاخ سے یادو گل بادام ہیں اظہار یا یہ الف ماہ دو ہفتہ ہے نمودار
خوشبوئے گلستان ارم اس میں بھری ہے
گویا ورق زر پہ کلی گل کی دھری ہے

۷۰-۷۱ صفحہ ۳۶۶ جلد ۲

عباس علی شیر نستان نجف ہے تابندہ در تاج سلیمان نجف ہے
سرو چمن خضر بیابان نجف ہے آئینہ روئے مہ کنعان نجف ہے
طفلی سے اسے عشق امام دوسرا تھا
شہ اس پہ فدا تھے وہ شہ دیں پہ فدا تھا

۱ صفحہ ۳۰۵ جلد ۲

۲۔ ہنس کر پر سعد ستمگار پکارا فاقہ کئی دن سے ہے کوئی مر گیا ہوگا
سب بچوں میں شبیر سیکنے کے ہیں شیدا سنتا ہوں کہ تھا پیاس سے ہونٹوں پہ دم اسکا
دنیا سے وہ مظلوم سفر کر گئی ہوگی
رونے کا یہ غل ہے تو وہی مر گئی ہوگی

تب کہنے لگا شمر لعین یہ نہیں زہار ہے صابر و شاکر پر احمد مختار
 آتی ہے صدا ہائے برادر کی جو ہر بار ہوتا ہے جدا سبط پیمبر سے علمدار
 بے وجہ نہیں خیمے میں یہ رونے کا غل ہے
 معشوق سے عاشق کے جدا ہونے کا غل ہے

۲۹-۳۰ صفحہ ۳۱۶ جلد ۲

مندرجہ بالا دو بندوں میں جو گفتگو لکھی ہے وہ کچھ زیادہ مناسب نہیں لیکن یہ ابتدائی
 کلام ہے۔ اگر مشاقی کے زمانے کا کلام ہوتا تو ابن سعد کی گفتگو شمر کی زبان سے اور شمر کی
 گفتگو ابن سعد کی زبان سے ادا کروائی ہوتی کیونکہ شمر کی سنگدلی اور سفاکی اور ابن سعد کی
 تدبیر اور ہوشیاری کا مقتضا یہی تھا۔ مقابلہ کرو اس مقام کا جہاں لشکر کے سپاہی اور شمر اور ابن
 سعد قتل امام کے بارے میں اپنے اپنے خیالات ظاہر کر رہے ہیں۔

۳۔ وہ مرثیہ جس کا مطلع ہے: عباس علی شیر نستان نجف ہے۔ اس میں دبیریت
 بہت ہے۔

۴۔ متعدد مرثیوں میں چہرہ نہیں ہے بلکہ مرثیے کے ہیرو کی تعریف سے مرثیہ شروع
 ہو جاتا ہے۔ ان مرثیوں میں مناظر فطرت کی تفصیلی تصویریں بھی نہیں ہیں اور ایسے مقامات
 جن کو مختلف موضوع پر مستقل نظمیں سمجھ سکتے ہیں نہیں پائے جاتے ہیں۔ نہ ان میں فطرت
 انسانی کے رموز ظاہر کیے گئے ہیں۔ ان میں سراپا اکثر لکھا گیا ہے۔ یہ ابتدائی زمانہ کا کلام
 معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ جس مرثیہ کا مطلع ہے۔ جب لشکر خدا کا علم سرنگوں ہوا۔ اس میں دبیریت بہت
 ہے۔ مشکل لفظ اور مشکل ترکیبیں، فارسی کا غلبہ، تخیل کی پیچیدگیاں، فضول موشگافیاں،
 بے فائدہ مضمون آفرینیاں جو بیانیہ اور رزمیہ شاعری کے لیے مناسب نہیں، اس مرثیے میں
 کثرت سے موجود ہیں۔ اس میں متروک الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً

عالم کے سرکشوں نے شکستیں اٹھائیاں بدر و احد میں خون کی نہریں بہائیاں

صفحہ ۳۴۴ جلد ۲

ان وجوہ سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ ابتدائے عمر کا کلام ہے۔ لیکن مرثیے کی غیر معمولی طوالت اور آخری بند بتاتا ہے کہ یہ آخر عمر کا کلام ہے۔ غالباً انیس نے یہ مرثیہ عمداً دبیر کے رنگ میں کہا ہے۔

اس مرثیے میں دو سو بیس بند ہیں۔

اب روک لے کیت قلم کی عنایاں انیس
بزم عزا میں سب ہیں ترے قدرداں انیس
پیری ہے یہ سفر کا رہے دھیان ہاں انیس
کیا جانے روانہ ہو کب کارواں انیس
خیمے مسافران عدم نے نکالے ہیں
جس قافلے میں تم ہو وہ سب جانے والے ہیں

۲۲۰ صفحہ ۳۵۱ جلد ۲

۶۔ انیس نے بعض مرثیے پرانے انداز کے بھی کہے ہیں جن میں نہ چہرہ ہے نہ رخصت، نہ کوئی منظر گویا صرف بین ہی بین ہیں۔ یہ مرثیے مختصر ہیں اور زیادہ تر ابتدائی زمانے کے کہے ہوئے ہیں لیکن بعض مختصر مرثیے آخر زمانے کے بھی معلوم ہوتے ہیں اور غالباً سوز میں پڑھنے کے لیے فرمائش سے لکھے گئے ہیں مثلاً ع: آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے۔ یہ مرثیہ صرف چالیس بند کا ہے لیکن نہایت چست۔ بعض مختصر مرثیے درحقیقت بڑے بڑے مرثیوں کے حصے ہیں جو سوز خوانوں نے اپنے کام کے لیے نکال لیے ہیں لیکن یہ مرثیہ: دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ، اس مرثیے کے مقطع سے معلوم ہوتا ہے کہ انیس نے مختصر ہی کہا ہے۔

یہ بین کر کے غش ہوئی بانوے نیک نام
لاش پسر کو لے گئے مقتل میں پھر امام
اٹھ اٹھ کے پیٹنے لگیں سب بیبیاں تمام
بس اے انیس آگے نہیں طاقت کلام
کس کو جوانی علی اکبر کا غم نہیں
گو بند مختصر ہیں پہ رونے کو کم نہیں

۳۷ صفحہ ۳۵۳ جلد ۲

اس کے آخری بند کا آخری مصرعہ بھی یہی بتاتا ہے۔

۷۔ ابتدائی مرثیوں میں کہیں کہیں تخیل کے استعمال میں بے اعتدالی کی ہے۔ مثلاً

چہرے پہ عجب حسن سے ہے ریش مخضب کیا قدرت حق ہے کہ ادھر دن تو ادھر شب
لیکن ہے شب و روز میں یہ جلوہ گری کب کعبہ میں ہے خورشید شرف غور کریں سب
دو آئینے ظلمت سے ہم آغوش ہوئے ہیں
رخسار غم شہ میں سیہ پوش ہوئے ہیں

۴۹ صفحہ ۷ جلد ۳

گرتی تھی پیاپے جو لعینوں پہ وہ شمشیر نیزے نہ اٹھاتے تھے سراپنا کسی تدبیر
دہشت سے کمائیں تھیں شکستہ صفت پیر پردار تھے ہر چند پہ اڑ سکتے نہ تھے تیر
روپوش جو ڈھالیں عقب دوش ہوئی تھیں
تکواریں بھی جوہر سے زرہ پوش ہوئی تھیں

۶۵ صفحہ ۹ جلد ۳ بیت

اترا ہوا تھا نہر پہ واں لشکر اظلم اطراف سے فوجیں بھی چلی آتی تھیں پیہم
پانی کی نہ پروا تھی نہ کھانے کا انھیں غم تھے فاتحے سے اطفال شہنشاہ دو عالم
روشن تھیں ادھر مشعلیں لشکر میں عمر کے
جلتے تھے اندھیرے میں ادھر داغ جگر کے

(۱۸ صفحہ ۱۶ جلد ۳ بیت)

جا پہنچا ادھر تمیں سواروں سے وہ صفدر سب دشت ہوا حسن کے پر تو سے منور
دریا کی ترائی میں بچھی نور کی چادر جو سوتے تھے وہ چونک پڑے صبح سمجھ کر
تھی رات پہ ثابت ہوا یہ لشکر کیوں پر
خورشید فلک سے اتر آیا ہے زمیں پر

۲۸ صفحہ ۱۸ جلد ۳

قبروں سے وہ ہنستے ہوئے ہوویں گے برآمد اور پائیں گے قصر گہر و لعل و زبرجد

جو دشمن زہرا و علی ہے وہ ہے مرتد ایماں کے عدد گن لو کہ ہیں حسب محمد
کافر کا جگر سینے میں یاں خوف سے شق ہے
گر غور کرو نام علی کو تو بحق ہے

(۹۲ صفحہ ۲۰ جلد ۳)

سحر عید جو عارض ہیں تو گیسو شب قدر یا نمایاں ہوئے ہیں ابر کے ٹکڑے پس بدر
پوچھو شبیر سے دونوں کے رخ پاک کی قدر رہتے عارض یہ سدا بنت علی کے سر صدر
آنے سے کہیں شفاف یہ رخسارے ہیں
صفحہ نور ہیں خورشید ہیں مہ پارے ہیں

(۱۶ صفحہ ۵۶ جلد ۳ مصرع ۴)

تین دن گزرے کہ کھانا نہیں پہنچا ہے بہم سیر ہیں صبر و قناعت سے مگر ان کے شکم
دیکھ لو زیر شکم ناف کا ان کے عالم ہیں یہ گرداب یم نصرت و اقبال و حشم
آنے کو شکم صاف پہ صدقے کیجے
نافہ مشک ختن ناف پہ صدقے کیجے

(۱۹ صفحہ ۵۷ جلد ۳)

قلم کاتب قدرت ہیں یہ دونوں کے قد راست ہیں جوں الف اول اللہ احد
یا کہ ہیں سرو گلستان رسول امجد ان کو دیکھے تو ہوشمشاد کو قمری سے حسد
مرتبے کیوں نہ ہوں آفاق میں برتر ان کے
رایت دین نبی ہیں قد انور ان کے

۲۰ صفحہ ۵۷ جلد ۳

نیچے قبضوں میں وہ ہیں کہ نہیں جن کی پناہ سر دشمن کے لیے ہیں ہمہ تن قہر الہ
کاٹ ایسا ہے کہ ضرب ان کی جو بیٹھے ناگاہ کوہ آہن ہو تو کٹ جائے مثال پرکاہ

فلک پیر انھیں تیغوں کا ڈر رکھتا ہے
روز وہ رخ پہ مہ و خور کی سپر رکھتا ہے

۲۲ صفحہ ۵۷ جلد ۳ بیت

جس طرف پھرے ہوئے رن میں جھپٹتے تھے وہ شیر
پیش آجاتا تھا گر کوئی زبردست و دلیر
مارے تلواروں کے کر دیتے تھے لاشوں کے ڈھیر
دونوں تشدید شجاعت سے اسے کرتے تھے زیر
عزم بالجزم تھے کیا فاطمہ کے پیاروں کے
چھوٹی سی تیغوں سے دم بند تھے کفاروں کے

۲۲ صفحہ ۵۹ جلد ۳

ہاتھ منہ دھویا اگر نہر پہ جا کر تو کیا
جائیں دریا پہ تو ہم چشموں میں ہوگا چرچا
ہاتھ اب جان سے دھونا ہے مناسب بھیا
رہ سکے پیاسے نہ سبطین علی الاعلیٰ
گل زہرا تو ہوا خشک وہ شاداب ہوے
ماموں پیاسا رہا اور بھانجے سیراب ہوے

(۲۶ صفحہ ۶۷ جلد ۳ مصرع ۳)

لوہے سے اسی تیغ کے آئینہ بنے گر
عکس اس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے سر
قطاع طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جائے
کیسی ہی کڑی راہ ہواک آن میں کٹ جائے

۹۶ صفحہ ۹۳ جلد ۳

یہ لب لب کوثر ہے لب نہر لبین ہے
دانتوں کو کہوں کیا کہ ہراک درعدن ہے
یاں کب دہن نطق کو یارائے سخن ہے
کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضمون کہن ہے

نہ پارۂ الماس نہ گوہر انھیں کہیے
شہ کو فلک حسن تو اختر انھیں کہیے

(۲۶ صفحہ ۱۴۳)

تھا غیظ سے جو چہرہ اقدس کا رنگ لال غل تھا کہ سرخ روز ازل سے ہے رنگ آل
اللہ رے زور و جرأت مولا زہے جلال بل کھا رہے ہیں دوش پہ زلف رسا کے بال
بجلی جو کوند جاتی ہے چہرے کے نور سے
حوریں نثار ہوتی ہیں ہنس ہنس کے دور سے

(۳۰ صفحہ ۱۵۶ جلد ۳ مصرع ۲۱)

مڑگاں کی صف دراز وہ اور ابروؤں کے خم پلکیں بھی ہاتھ تیغ پہ رکھتی تھیں دمبدم
مردم سے تھا اشارہ چشم شہ ام محبوب کردگار کے ہیں نورعین ہم
روشن تھا رخ سواد خط مشک بار میں
تھا فرق بال بھر کا حلب اور تار میں

۳۲ صفحہ ۱۵۶

ان گیسوؤں کی مدح کوئی کیا کرے رقم شانے پہ بھی کھلا نہ کبھی جن کا پیچ و خم
رکھتے ہیں موشگاف بھی یاں سوچ کر قدم تاریک شب ہے دیکھ کے چل راہ اے قلم
اے بے خبر یہ کوچہ زلف سیاہ ہے
لغزش نہ ہو کہ بال سے باریک راہ ہے

کلک قضا جو محو کرے مصرع نخست بے سر ہے بیت مصرع ثانی ہو گر چہ چست
پنجہ ہے تب تلک کہ رہیں انگلیاں درست مصرعے نہ چار ہوں تو رباعی ہے سخت ست

باقی رہیں نہ چار حدیں جب تو کیا رہا
اک مصرعِ مخمس آلِ عبا رہا

۵۶ صفحہ ۲۲۸ جلد ۳

جن انگلیوں سے خلق کی تھی عقدہ کشائی کٹ کٹ کے ہوئی تھی انھیں ہاتھوں کی صفائی
خوں سے نظر آتے تھے کف دستِ حنائی گلدستہٴ فردوس تھی مجروحِ کلائی
تھے بازوؤں پر زخم جو شمشیرِ عدو کے
ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں دریا میں لہو کے

۱۱۰ صفحہ ۳۷۱ جلد ۲

اس سلسلے میں حالی اور شبلی کے اقوال استعمالِ تخیل کے بارے میں نقل کرو۔
۸۔ ابتدائی مرثیوں میں بے محل درد خیز کنائے پائے جاتے ہیں مثلاً بند ۵ صفحہ ۷ جلد ۳ میں امام
کے سراپا کے سلسلے میں گردن کی تعریف کرتے کرتے چھٹے مصرع میں یہ کہنا بالکل بے محل ہے
ع: تلوار سے کاٹا اسی گردن کو شقی نے

پیشانی روشن سے خجل نور رخ بدر رخ تھا سحرِ عید تو گیسو تھے شبِ قدر
تھا مصدر الہامِ خداے دو جہاں صدر سو اس پہ چلے تیر یہ امت نے کیا غدر
زخمی کیا وہ سینہ ہر اک دشمن دیں نے
تیر ایک طرف پاؤں دھرا شمرِ لعین نے

۲۱ صفحہ ۱۴۳ جلد ۳

جو تازگی میں ہوں گل تر سے زیادہ تر واحسرتا وہ پانی کو ترسیں کئی پہر
اپنی زباں پُچسائیں جنہیں سید البشر وہ لعل لبِ بنیں ہدفِ تیر بد گہر
دریا پہ تشنہٴ کام شہ نیکِ خو رہے
پانی کی پھر جہان میں خاکِ آبرو رہے

۳۶ صفحہ ۱۵۶ جلد ۳

باجل درد انگیز اشارے حسب ذیل بند میں ہیں

یہ سن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار چلاتی تھی یہ زوجہ عباس نامدار
صاحب اٹھوترائی سے میں آپ کے نثار آقا سوار ہوتے ہیں آیا ہے راہوار
یاں آ کے ساتھ جاؤ امام غیور کے
سایہ کرو کہ دھوپ ہے سر پر حضور کے

۶۶ صفحہ ۱۲۶ جلد ۳

۹۔ ایک ابتدائی مرثیے میں انیس نے حر اور ابن سعد کی گفتگو یوں لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حر کا لشکر یزید سے نکل کر جانا ابن سعد کو اس وقت تک معلوم نہ ہوا جب تک کہ وہ یزیدیوں سے لڑنے کے لیے میدان میں جا کر مبارز طلب نہ ہوا۔ یہ بات خلاف قیاس بھی ہے اور اس سے حر کی شجاعت پر بھی حرف آتا ہے۔ مثلاً

لپٹا کے اسے چھاتی سے روئے شہ ابرار فرمایا کہ ناچار ہوا جا مرے غمخوار
آداب بجا لا کے چلا حر وفا دار جاتے ہی پکارا وہ کہ اے قوم ستمگار
دعویٰ ہو شجاعت کا جسے نکلے وہ صف سے

میں آیا ہوں لڑنے شہ والا کی طرف سے
گھبرا کے پکارا عمر سعد ستمگر کیا سحر حسین ابن علی چل گیا تجھ پر
کچھ آج تجھے قہر خلیفہ کا نہیں ڈر سردار کے دشمن کی طرف ہو گیا جا کر
اس امر سے باز آ کہ ہلاکت کے قریں ہے
کچھ پاس نمک کا بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے

۸۲-۸۳ صفحہ ۳۸ جلد ۳

اس مقام کو بعد کے مرثیوں میں انیس نے دوسری طرح لکھا۔

۱۰۔ بند ۱۲ صفحہ ۵۶ جلد ۳ میں ”بسان“ بمعنی مثل استعمال ہوا ہے۔ آخری مرثیوں میں یہ لفظ غالباً نہیں ہے۔

۱۱۔ ابتدائی مرثیوں میں تنافر حروف بھی پایا جاتا ہے۔ چند مثالیں حسب ذیل بندوں میں نقل کی جاتی ہیں:

وونوں پیاسوں پہ ادھر تھی یورش اہل جفا اور ادھر تھا حرم شہ میں تلاطم برپا
 بیبیوں سے کہا زینب نے بصد درد و بکا میرے بیٹے مرے مانجائے پہ ہوتے ہیں فدا
 پیاس میں چھوٹے سے ہاتھوں کی صفائی دیکھو
 چلو لوگو مرے بچوں کی لڑائی دیکھو

۳۳ صفحہ ۵۸ جلد ۳ مصرع ۶

تو اگر چاہے تو دے پیل پہ پشے کو ظفر ہو ترا فضل تو قطرہ ابھی ہو جائے گہر
 بخش دے دودھ میں لونڈی کے شجاعت کا اثر نام آفاق میں کر جائیں مرے نور نظر
 عون بیجاں ہو جدا مجھ سے محمد ہو جائے
 پسر فاطمہ زہرا کی بلا رد ہو جائے

۳۷ صفحہ ۵۹ جلد مصرع ۱

بس اتنے میں حضرت پہ ہوا نزع کفار تیروں کی تن پاک پہ پڑنے لگی بوچھار
 گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہ ابرار بتلاؤ کہ میں کون ہوں اے قوم جفا کار
 تم خوں میں جسے بھرتے ہو جامہ ہے یہ کس کا
 تلوار یہ کس کی ہے عمامہ ہے یہ کس کا

۳۹ صفحہ ۱۴۵ جلد ۳ مصرع ۲

۱۲۔ ابتدائی مرثیوں میں بندش ڈھیلی، تخیل ناہموار، اور عبارت لڑکھڑاتی ہوئی ہے۔ مثلاً:
 ہے سایہ حق خود سر سرور عالی اور شوق شہادت سے ہے رخساروں پہ لالی
 یہ سوچ کے مولانے زرہ تن پہ نہ ڈالی زخم تبر و تیر کی جا گہ رہے خالی
 اک برق سی شمشیر فقط زیب کمر ہے
 ہے دست علی پشت کے اوپر یہ سپر ہے

۳۳ صفحہ ۱۴۴ جلد ۳

۱۳۔ ابتدائی مرثیوں میں رعایت لفظی بہت ہے۔ مثلاً

باغی روش سبزہ ہوئے جاتے تھے پامال سرگر رہے تھے برگ خزاں دیدہ کی تمثال
رخ زرد تھے ڈرے یہ سیہ کاروں کا تھا حال تھا شور کہ سرسبز ہوا فاطمہ کا لال
شمشیر کے پھل سے ثمر تازہ ملے تھے
اعدا پہ خزاں تھی یہ گل زخم کھلے تھے

۶۶ صفحہ ۱۲۸ جلد ۳

مگر جو جوانیس کی شاعری ترقی کرتی گئی وہ وہ ان کو معلوم ہوتا گیا کہ شاعری لفظی بازی گری کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جذبات و کیفیات و مناظر کی دلکش اور اثر خیز مصوری کا نام ہے۔

۱۴۔ ع: ”جب فوج خدا قتل ہوئی راہ خدا میں“ اور ”جب نو جوان پسر شہ دیں سے جدا ہوا“ ان دونوں مرثیوں کے اکثر مقامات ملتے ہوئے ہیں۔ دونوں میں روایتیں بھی ملتی ہوئی نظم کی گئی ہیں۔ مقابلہ کرو بند ۸۱-۱۰۴ صفحہ ۱۴۹-۱۵۱ جلد ۳ اور ۱۳۶-۱۷۲ صفحہ ۱۳۲ جلد ۳ مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

لکھا ہے کہ جس روز تھا یہ سانحہ درپیش وارد ہوا اس دشت بلا میں کوئی درویش
کیا دیکھتا ہے آنکھ اٹھا کر وہ جگر ریش اک زخمی کو گھیرے ہوئے ہیں لاکھ جفاکیش
بیکس پہ ہیں شمشیر پہ شمشیر لگاتے

یہ کہتا ہے پانی دو وہ ہیں تیر لگاتے

بے ساختہ رو رو کے لگا کہنے وہ دیندار کس دکھ میں یہ بندہ ہے ترا اے مرے غفار
اس طرح کا ہوگا نہ کوئی بیکس و ناچار پانی بھی پلاتے نہیں ایسا ہے گنہگار

یہ ظلم و ستم کون سے مذہب میں روا ہے

کیوں قتل اسے کرتے ہیں کیا اس کی خطا ہے

کافر کو بھی پانی تو پلاتے ہیں مسلمان یہ تو ترا بندہ ہے کوئی صاحب ایمان
بیکس ہے پہ چہرے سے شرافت ہے نمایاں ہیں سوکھے ہوئے ہونٹ ترے ذکر میں جنباں

زخمی اسے کرتے ہیں عدو تیغ و سناں سے

جز شکر نکلتا نہیں کچھ اس کی زباں سے

کیا صبر ہے اس طرح کا صابر نہیں دیکھا کیا شکر ہے اس طرح کا شاکر نہیں دیکھا
 ثابت قدم ایسا دم آخر نہیں دیکھا آوارہ وطن ایسا مسافر نہیں دیکھا
 کیا ظلم نہیں کون سی بیداد نہیں ہے
 کچھ اس کو ترے نام سوا یاد نہیں ہے
 ایسے بھی ترے بندۂ مقبول ہیں مولا گھر لٹنے کا غم جن کو نہ سر کٹنے کا دھڑکا
 جب تیغ ستم آتی ہے سر دیتے ہیں نہوڑا اف کرتے نہیں سینے پہ جب لگتا ہے نیزا
 چہرے پہ بشارت ہے کہ ہنگام اجل ہے
 نیزے کو سمجھتے ہیں کہ یہ زیست کا پھل ہے
 یہ کہہ کے بصد درد بہت رویا وہ غمگین اور مشک سے سیراب کیا کاسۂ چوبیس
 ساغر لیے ہاتھوں پہ گیا پیش شہ دیں کی عرض اسے پی لو کہ تا دل کو ہوسکیں
 یہ دکھ نہیں پڑتا کسی محتاج و غنی پر
 دل ہوتا ہے ٹکڑے تری تشنہ دہنی پر
 اے بندۂ بیکس ترا کیا جرم ہے بتلا بے وجہ کوئی قتل کسی کو نہیں کرتا
 کیا تو نے عزیزوں کو ہے ان لوگوں کے مارا کشتے یہ وہی ہیں جو پڑے ہیں لب دریا
 مارا جو انھیں تو نے تو افسوس کی جا ہے
 مہ رو ہے کوئی ان میں کوئی ماہ لقا ہے
 دریا کی ترائی میں جو سوتا ہے یہ مہ رو کرتا ہے قلم ایسے جری کے کوئی بازو
 یہ تازہ جواں خوں میں بھرے جس کے ہیں گیسو مارا اسے کیا صاحب اولاد نہ تھا تو
 دولہا یہ سناں کھائے جو سوتا ہے زمیں پر
 کچھ رحم نہ آیا تجھے اس ماہ جبیں پر
 پھر دیکھ کے وہ لاشۂ اصغر یہ پکارا وہ سب تو لڑے ہوں گے جو تو نے انھیں مارا
 اک بچے کا کس طرح ہوا قتل گوارا کیا ہوئے گا حال اس کا یہ جس ماں کا ہے پیارا
 جس وقت یہ دنیا سے سفر کر گیا ہوگا
 جیتا رہا ہوگا کہ پدر مر گیا ہوگا

درویش کے سن کر یہ بخن رونے لگے شاہ مقتل کی زمیں ہل گئی اس درد سے کی آہ
 فرمایا کہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ کیا اپنی مصیبت کہوں اے بندۂ اللہ
 سب میرے یگانے ہیں یہ جن کا تجھے غم ہے
 یہ باغ مرا ہے کہ جو تیغوں سے قلم ہے
 بے دست ہے جو نہر پہ وہ ہے مرا بھائی ٹوٹی ہے کمر اس سے ہوئی جب سے جدائی
 یہ شیر کہ سینے پہ سناں جس نے ہے کھائی مجھ باپ کی اٹھارہ برس کی ہے کمائی
 وہ طفل جو ریتی پہ ستارا سا پڑا ہے
 چھوٹا ہے پہ بیٹے سے الم اس کا بڑا ہے
 ناحق مرے پیاروں پہ چلی ظلم کی شمشیر سب قتل ہوئے باقی ہوں میں بیکس و دلگیر
 بے جرم مرے قتل پہ آمادہ ہیں بے پیر کرتا ہوں ہدایت انھیں یہ ہے مری تقصیر
 مہماں پہ کسی نے ستم ایسا بھی کیا ہے
 دو روز سے پانی نہیں پینے کو دیا ہے
 اے شخص تجھے رحم مرے حال پہ آیا اس وقت میں پانی تو مرے واسطے لایا
 اجر اس کا خدا دے کہ بڑا رنج اٹھایا پانی مرے بچوں میں کسی نے نہیں پایا
 اب خاک ہیں سو چشمے جو پانی سے بھرے ہوں
 کیونکر وہ پیے جس کے پسر پیاسے مرے ہوں
 دنیا میں مجھے پانی کے پینے سے ہے انکار واللہ میں ہوں کوثر و تسنیم کا مختار
 حجت کے لیے پانی کا ان سے ہوں طلبگار احساں مجھے منظور کسی کا نہیں زہار
 حیدر کی طرح تارک دنیائے دنی ہیں
 ظاہر میں ہیں محتاج مگر دل کے غنی ہیں
 مشکل کوئی تجھ پر ہو تو آساں ابھی کر دیں اس جام کو کہہ تو تو زرو مال سے بھر دیں
 ہیں دل کے غنی سر کے جو سائل ہوں تو سر دیں ہم وہ ہیں کہ قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیں
 حق میں کسی دشمن کے دعا بد نہیں کرتے
 فاقوں میں سوال فقرا رد نہیں کرتے

درویش سے یہ کہہ کے لیا پانی کا ساغر تکنے لگے حسرت سے سوئے لاشہ اصغر
دل پیاسی سکینہ کے لیے ہو گیا مضطر دیکھا طرف خیمہ کئی مرتبہ مڑ کر
آنکھوں سے بہے اشک رخ سرور دیں پر

اس پانی کو بس پھینک دیا روے زمیں پر
پھر دست گدا میں وہ دیا کاسہ خالی اور خاک اٹھا تھوڑی سی اس جام میں ڈالی
اللہ رے اعجاز کف سرور عالی لبریز تھے اس کاسے میں یاقوت و لالی
حیرت ہوئی درویش کو اس لطف و کرم پر
بس گر پڑا وہ دوڑ کے حضرت کے قدم پر

کہتا تھا یہ آنکھوں سے لگا کر قدم شاہ مولا مجھے نام اپنا بتا دیجیے للہ
ہیں آپ وصی یا کہ ہیں پیغمبر ذیجاہ کیا قوم ہے کس جا ہے وطن کیجیے آگاہ
بندے نے کسی میں یہ کرامت نہیں دیکھی
واللہ یہ ہمت یہ سخاوت نہیں دیکھی

حضرت نے کہا نام سے میرے تجھے کیا کام مظلوم مرا نام ہے سید ہے مرا نام
بیکس ہوں مسافر ہوں نہ راحت ہے نہ آرام دنیا سے کوئی دم میں سفر کا ہے سرانجام
عبرت کی جگہ منزل دنیائے دنی ہے
گھر قبر کا گوشہ ہے وطن بے وطنی ہے

کیا پوچھتا ہے قوم نبی کا ہوں نواسا اور مولد و مسکن ہے مرا یثرب و بطن
مادر وہ ہے کہتے ہیں جسے حضرت زہرا بیٹا ہوں میں حیدر سے شہ عقدہ کشا کا
ان میں سے ہر اک گلشن جنت کا مکیں ہے
مظلوم ہوں اب سر پہ مرے کوئی نہیں ہے

کہنے لگا سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ دیندار ہیں آپ حسین ابن علی یا شہ ابرار
آقا تمہیں بندے نے نہ پہچانا تھا زہار شہزادہ کونین اور اس دکھ میں گرفتار
تکوار مجھے دیجے کہ جنگ ان سے کروں میں
حضرت کے عوض تیغ و سناں کھا کے مروں میں

فرمانے لگے رو رو کے یہ سرور ذی جاہ ہم اس پہ فدا ہیں جو ہمارا ہے ہوا خواہ
 تو قتل ہو منظور نہیں ہے مجھے واللہ لے راہ وطن جلد کہ ہم بھی ہیں سر راہ
 ہرگز نہ فراموش یہ احسان کریں گے
 ہم قبر میں مشکل تری آسان کریں گے
 راضی ہو خدا تجھ سے کہ ہم تجھ سے ہوے شاد تربت میں کریں گے شب اول تری امداد
 پر بھولیو مت پیاس ہماری یہ رہے یاد کچو مری غربت پہ سدا نالہ و فریاد
 روئے گا مری پیاس پہ جو بزم عزا میں
 لکھے گا اسے خالق اکبر شہدا میں
 فرمانے سے حضرت کے وہ رخصت ہونا چار میداں سے نہ نکلا تھا کہ پھر غل ہوا اک بار
 دیکھا کہ تڑپتا ہے تن سید ابرار اور کاٹے لیے جاتا ہے سر شمر ستمگار
 مارا مرے بھائی کو یہ چلاتی ہے زینب
 سر پیٹتی خیمے سے چلی آتی ہے زینب

۸۱-۱۰۴ صفحہ ۱۴۹-۱۵۱ جلد ۳

جس روز تھا یہ حشر یہ ماتم یہ شور و شر آ پہنچا اک مسافر غربت زدہ ادھر
 نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر چھوڑے ہوئے وطن اسے گزرا تھا سال بھر
 بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا
 مشتاق وہ زیارت قبر علی کا تھا
 رخ زرد پاؤں سو جے ہوئے جسم پر غبار ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار
 طاعت گزار نیک عقیدت وفا شعار نہ راحلہ نہ زاد نہ ہمد نہ نعمگسار
 یہ آرزو کہ گوہر بحر شرف ملے
 چھانوں جہاں کی خاک پہ در نجف ملے
 سر کو قدم کیے وہ سعید خجستہ پے دودن کی راہ کرتا تھا اک ایک دن میں ملے
 پیاری نہ تھی جو قطع مسافت سے کوئی شے آساں تھی اس کو دوری شام و عراق ورے

ان جنگلوں میں بادیہ پیا تھا دین کا
گز بن گیا تھا راہ خدا کی زمین کا

دیتی تھی اس کو طاقت رفتار جب جواب
جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہ ثواب
احساں ہے میرے سر پہ تمہارا چلو شتاب

کیا کیا شرف تمہاری بدولت ملے نہیں
گنج گہر ہیں زیر قدم آبلے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ
سمجھاتے تھے اسے جو مسافر میان راہ
پہنچا دے مجھ کو منزل مقصد پہ یا الہ
اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ

یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے
کہتا تھا روکے وہ کہ نجف کتنی دور ہے

پہنچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اس نے حال
فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال
تنہا کھڑا ہے ایک مسافر لہو میں لال
چلتے ہیں تیر کرتا ہے پانی کا جب سوال

ازبس کہ اہل درد تھا بیتاب ہو گیا
پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

تھم کر جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر
بچہ پڑا ہے ایک ستارہ سا خاک پر
دیکھا کوئی ہے شمس کوئی غیرت قمر
کرتا بھی ہنسلیاں بھی شلو کہ بھی خوں میں تر

سرخ لہو سے حلق کے سیب ذقن میں ہے
باچھوں میں سب ہے دودھ انگوٹھا دہن میں ہے

برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی سوگوار
آتی ہے پیٹنے کی صدا اس سے بار بار
صدتے میں تیرے اے مرے بابا کے یادگار

کانپا کلیجا تھم کے سنا جب دہائی کو
سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو

بولا وہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا
بیکس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا
لائے کہاں نصیب مجھے وا مصیحا
یارب ہوئی ہے اس ترے بندے سے کیا خطا

نیزوں سے صدر تیغوں سے تن چور چور ہے

آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

کہنے لگا لرز کے وہ ذی قدر و نیک نام اللہ کس قدر ہے پر آشوب یہ مقام

دریا خدا نے خلق کیے بہر فیض عام مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ تشنہ کام

ان سے بشر ڈرے جنہیں خوف خدا نہیں

جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر

واللہ برگزیدہ حق ہے یہ خوش سیر کریجے التماس دعا ہاتھ باندھ کر

تیغوں میں اس کے پاس چلو جو خدا کرے

آساں ہوں مشکلیں جو یہ بیکس دعا کرے

باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیر غم لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دمبدم

ہاتف نے دی ندا کہ سمجھ کر اٹھا قدم رتبے میں یہ زمیں بھی نہیں کچھ نجف سے کم

آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارض پاک پر

یہ سب ورق ہیں مصحف ناطق کے خاک پر

آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہ دیں کے پاس کی عرض السلام علیک اے فلک اساس

مولا جواب دے کے یہ بولے بدر دو یاس آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس

عرض اس نے کی غلام شہ ذوالفقار ہوں

بیکس ہوں مینوا ہوں غریب الدیار ہوں

طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ

اب تک ہے دور مجھ سے در ضیغم الہ مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پر گناہ

غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی

لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی

میں دو مہینے فوج ستم میں رہا اسیر مولا علی کے نام کے دشمن ہیں وہ شریر

ہتھیار لے کے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہو گیا فقیر

سر پر یہی کلاہ یہی اک لباس ہے
 پر ہوں غنی کہ دولت دیں میرے پاس ہے
 دو صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر
 پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور
 حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
 منظور پھر وہاں سے مدینہ کا ہے سفر
 جاؤں گا دولتیں ہیں اگر سر نوشت میں
 رستے میں موت آئی تو پہنچا بہشت میں
 فرمایا آپ نے کہ مدینہ میں کیا ہے کام
 عرض اس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک مقام
 اس سرزمین پہ ہے مرا آقا مرا امام
 برسوں سے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح و شام
 حیدر کے جان و دل ہیں شہ مشرقین ہیں
 صدقے میں اس جگہ کے وہیں تو حسین ہیں
 کیا دن سعید ہوگا میں اس روز کے ثار
 جس روز ان کے گرد پھروں گا میں سات بار
 چوموں گا دونوں ہاتھ بہ صد عز و افتخار
 آنکھیں قدم پہ جھک کے ملوں گا بہ انکسار
 دنیا ہو اور فاطمہ کا نور عین ہو
 دیکھوں انھیں صحیح و سلامت تو چین ہو
 دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم
 امت دعا کرے نہ کہیں محکو ہے یہ غم
 اب پنجتن میں ہے تو انھیں کا ہے ایک دم
 عزلت گزریں ہے قبر نبی پر وہ ذی حشم
 زندہ ہیں گر حسین تو زندہ ہیں چار دم
 یارب اس ایک دم کو عطا کر ہزار دم
 اک میرا شاہزادہ ہے ہمشکل مصطفیٰ
 شہرہ ہے جس کی شکل و شائیل کا جا بجا
 ماں کا مرادوں والا پسر ہے وہ مہ لقا
 سایے میں شہ کے اس کو سلامت رکھے خدا
 اس رشک گل سے دور خزاں کی بلا رہے
 یارب چمن حسین کا پھولا پھلا رہے
 یہ سن کے آپ آئے مسافر کے متصل
 پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آگے تو مل
 ہاں بھائی سچ ہے صدمہ غربت ہے جاں گسل
 اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل

طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہے

چہرہ ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہے

ہاں مدتوں سے ہے یہی نیرنگ روزگار ہر گل پہ ایک دن ہے خزاں ایک دن بہار

ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یار غمگسار تیری طرح لٹے ہیں یہیں چھوڑ کر دیار

شکر خدا مسافر راہ ثواب ہیں

اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں

کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گزر گیا خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا

دنیا سے دوپہر میں مرا گھر کا گھر گیا بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا

بنی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر

ٹکڑے ہو گر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر

میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دور ہوں

اک خاکسار بندہ رب غفور ہوں عالم ہے اس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں

کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں

دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب لے آؤں دوڑ کر مرے شر بے میں ہے کچھ آب

کچے زبان خشک کو تر بہر بو تراب بولے ہلا کے سر کو شہ آسماں جناب

اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں

سب پیاسے مر گئے ہیں نہ پانی پیوں گا میں

درکار جو تجھے ہو وہ لے بہر کردگار پیدل اگر ہے تو تو یہ حاضر ہے راہوار

ناقہ بھی لے ترا تو ہے آقا وہ نامدار سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار

حاضر ہے جان و مال کہ ہے میہمان تو

بھائی ہمارے گھر کو گھر اب اپنا جان تو

اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے موجود راحلہ بھی ہے زاد سفر بھی ہے

مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے

بیکس ہوں گو کہ آج پہ عالی مقام ہوں

شرما نہ تو کہ میں بھی علی کا غلام ہوں

آقا جو ہے ترا وہی آقا مرا بھی ہے تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے

جو ہے ولی حق وہی مولا مرا بھی ہے بھائی علی کے حصے میں حصا مرا بھی ہے

ہاں مال غیر کف میں تصرف نہ چاہیے

آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے

دیکھی جو یہ عنایت سلطان بحر و بر رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر

دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر اس حال میں غریب نوازی ہے اس قدر

دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں

اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

عرض اس نے کی حضور سے ہے بس یہ التجا کچے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا

پہنچا دے مجھ کو قبر علی پر مرا خدا مولا نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا

جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو

یارب اسے علی کی زیارت نصیب ہو

تسلیم اس نے کی تو یہ بولے شہ انام قبر علی پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام

آتے ہیں آپ درد و مصیبت میں سب کے کام میں بیکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام

تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجیے

ہنگام ذبح گود میں سر آ کے لیجیے

سن کر بیان شاہ رہی ضبط کی نہ تاب آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب

دل سے کہا کہ ہے لب بام اب یہ آفتاب بیکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب

احساں کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجئے

اب سر علی کے نام پہ قربان کیجئے

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہے مقام

اب دیجئے رضا کہ لڑوں کھینچ کر حسام وہ کام چاہیے کہ رہے تا بہ حشر نام

دیندار ہوں نہ ترک رفاقت کروں گا میں

اب مر کے شیر حق کی زیارت کروں گا میں

زوار جن کا ہوں میں انھیں کی مجھے قسم سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشن ارم حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم

پردے اٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے

گردوں سے مرجبا کی صدا مجھ کو آتی ہے

گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں قسم نہ کھا رستہ ہے یاں سے رات بے کا نجف کو جا

بچنا مرا محال ہے گر جان دی تو کیا اے بھائی تو ہے صاحب دختر نہ لے رضا

دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن

بٹی تری ترے لیے روتی ہے رات دن

رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دمبدم وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم

مرتی ہے انتظار میں وہ صاحب الم آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی اسیر غم

ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہے

بیمار ایک میری بھی بٹی وطن میں ہے

بٹی کا ذکر سن کے یہ بولا وہ خوشخصال فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال

آگاہ اس سے کوئی نہیں غیر ذوالجلال شاید ہے علم غیب میں بھی آپ کو کمال

ہر شے کا علم آپ کو اس بیکسی میں ہے

یہ تو صفت امام میں ہے یا نبی میں ہے

بتلائیے براے خدا مجھ کو اپنا نام فرمایا بے نوا وطن آوارہ تشنہ کام

بیکس عزیز مردہ اسیر سپاہ شام عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام

درد و غم و الم مرے حصے میں آئے ہیں

یہ سب خطاب میں نے یہاں آکے پائے ہیں

قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ درد ناک اظہار اسم اقدس و اعلیٰ میں کیا ہے باک

بتلائیے کہ غم سے مراد دل ہے چاک چاک چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امام پاک

فرما سکے نہ یہ کہ شہ مشرقین ہوں
مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

۱۳۶-۱۷۴ صفحہ ۱۳۴ جلد ۳

۱۵۔ وہ لو وہ پیاس اور وہ گرمی کی دوپہر تیزی تھی دھوپ میں کہ جلی جاتی تھی نظر
دست مڑہ سے پیٹتی تھیں پتلیاں بھی سر تھے تر بتر پسینے میں سلطان بحر و بر
قطرے عرق کے دیکھ کے روے جناب پر
غل تھا پڑی ہے اوس گل آفتاب پر

۳۱ صفحہ ۱۵۶ جلد ۳

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر سخاۃ مڑہ سے بھکتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

۱۲۰ صفحہ ۲۰۴ جلد ۴

ان دونوں بندوں میں مضمون بھی ایک ہی ہے، بحر بھی ایک اور قافیہ بھی ایک ہی ہیں
لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے۔

۱۶۔ دیکھا یہ کہہ کے بالی سکینہ کو یاس سے لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے

کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے

صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں یہ سفر ناگزیر ہے آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے

اب آرزوے قرب خدائے قدیر ہے تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے

جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سن کر مصیبت پدر بیکس و حزیں بولی بلائیں باپ کی لے کر وہ مہ جبیں
نکلو بلا کے بن سے کہیں یا امام دیں آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں

صدتے گئی مدینے چلو یا نجف چلو

لئے ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر شمار پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکوں سے نے سوار اس دشت کیوں میں قید ہے احمد کا یادگار

قاصد جو میرے نام کا خط لے کے آتے ہیں

سر کاٹ کر درختوں میں لٹکائے جاتے ہیں

عمو تمھارے چھوڑ گئے ہم کو جاں بلب بی بی قدم پہ گر کے ہمیں کون رو کے اب
تلواریں چل گئیں بنے قاسم پہ بے سبب مرنا شباب میں علی اکبر کا ہے غضب

تھی جن سے زندگی کی حلاوت وہ چھٹ گئے

دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لٹ گئے

ہر چند صبح و شام ہے جاری یہ شاہراہ پر کوئی قافلہ نہ ہوا ہوگا یوں تباہ
پایا تھا عمر کھو کے جنھیں ہم نے آہ آہ ڈھونڈا کہاں کہاں نہیں ملتے وہ رشک ماہ

کیا ہوگا لاکھ روئیں گے یا خاک اڑائیں گے

نے عمر اب پھرے گی نہ وہ دوست آئیں گے

بی بی یہاں سے اہل وطن ہیں قریب تر پر میری بیکی کی نہیں ایک کو خبر
بھیجے ہیں شیعیاں یمن نے بھی نامہ بر لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گزر

قربوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا

لشکر بنی اسد کا قریب آ کے پھر گیا

گھیرا ہے اس لیے مجھے اس بن میں بے گناہ تا مجھ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
نہ دوست نہ عزیز نہ غمخوار نہ سیاہ ساتھی تو سب عدم میں وطن دور گھر تباہ
مجھ سا بھی کوئی نیکیس و بے پر بشر نہ ہو

مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہ ہو ادھر ضد کر کے رویو نہ ہمیں چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شب فرقت پدر سو رہو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر
راحت کے دن گزر گئے یہ فصل اور ہے

اب یوں بسر کرو جو یتیموں کا طور ہے

نہے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام بتلائے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے امام کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام
بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے

مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بندے اتارو طوق بڑھاؤ پدر نثار چھپنا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
چلائو نہ این ابی کہہ کے بار بار دشمن ہمارے نام کا ہے شمر نابکار
لو الوداع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں
سونپا تمہیں بنی و علی کی پناہ میں

۲۳-۳۳ صفحہ ۱۲۱-۱۲۲ جلد ۳

خمیے میں جا کے شاہ پہننے لگے لباس ہتھیار جب سجے تو ہوئی بیبیوں کو یاس
بانو کا رنگ زرد تھا نہ نب تھی بے حواس دامن قبا کا پکڑے سیکنہ کھڑی تھی پاس
پھیلا کے ہاتھ کہتی تھی گودی میں آئیں گے
بابا سدھاریے گا تو ہم روٹھ جائیں گے

ہتھیار کیوں لگائے ہیں باندھی ہے کیوں کمر کیا بابا جان یاں سے کہیں اور ہے سفر
اچھا چلو کہ یاں تو ڈری ہوں میں رات بھر آواز گریہ آئی ہے جنگل سے تا سحر

اماں ذرا نہ سوئیں نہ ہم شب کو سوئے ہیں

اصغر بھی چونک چونک کے جھولے میں روئے ہیں

پوچھو پھوپھی بھی سنتی تھیں یا شاہ نامدار اک بی بی پیچھے خیمے کے روتی تھی زار زار

صاف آتی تھی صدا مرے بیکس ترے نثار ہے ہے حسین تیرا گلا اور چھری کی دھار

سونا ہے کل زمیں پہ مرے رشک ماہ کو

بالوں سے جھاڑ آئی ہوں میں خوابگاہ کو

دل کا پتا ہے غم سے کلیجا ہے چاک چاک کیسا ملال خیز ہے یہ دشت ہولناک

چلتی ہے لو کبھی کبھی اڑتی ہے زرد خاک گریاں رہی تو شب کو میں ہو جاؤں گی ہلاک

جنگل کے لوگ آکے نہ لشکر کو لوٹ لیں

دشمن کہیں نہ فاطمہ کے گھر کو لوٹ لیں

بیٹی نثار ہو گئی اچھے مرے پدر اٹھو! خیمہ جلد یہاں سے کرو سفر

کانوں پہ ہاتھ رکھے رہی ہوں میں رات بھر ڈرتا ہے دل کہ چھین نہ لیوے کوئی گھر

کوئی طمانچہ آن کے مارے تو کیا کروں

کانوں سے بالیاں جو اتارے تو کیا کروں

ہر دم صدا یہ آتی تھی یا سرور زمن اب گردنیں ہیں آل محمد کی اور رس

قسمت میں ہے کہ رائڈ بنے اک نئی دلہن بھائی سے چھوٹ جائے مصیبت زدہ بہن

برباد خاندان رسول کریم ہو

ڈھل جائے دوپہر تو سیکنہ یتیم ہو

کس کو یتیم کہتے ہیں یا شاہ دیں پناہ یہ کیا غضب ہے کون سا مجھ سے ہوا گناہ

روکا ہے واں ہمیں کہ نہ چشمہ جہاں نہ چاہ کیا خوب میہمانی آل نبی ہے واہ

فاقہ توارث ہے ہمیں اس کا گلا نہیں

گزرے ہیں تین روز کہ پانی ملا نہیں

بیٹی کے اس کلام پہ روئے امام دیں منہ چوم کر کہا کہ نہیں تم ڈرو نہیں

زندہ ابھی تو ہے یہ پدر بیکس و حزیں بی بی نہ روؤ دور نہ جائیں گے ہم کہیں

مہماں ہوئے ہیں جن کے وہ ہم کو بلاتے ہیں
 پانی تمہارے واسطے لینے کو جاتے ہیں
 اچھا نہ یاں رہیں گے جو لگتا ہے تم کو ڈر
 ہم بعد عصر آج ہی کر جائیں گے سفر
 ان بھولی بھولی باتوں پہ قربان ہو پدر
 سچ ہے کہ یہ مقام نہایت ہے پر خطر
 دشمن ہیں سب امام غریب الدیار کے
 رکھوادو ماں کے پاس یہ بندے اتار کے
 ایسا نہ ہو کہ کوئی دکھادے تمہارے کان
 فکر اپنی کچھ نہیں ہے تمہارا ہے مجھ کو دھیان
 تجھ پر نثار جان حسین اے سیکندہ جان
 بن پانی اینٹھی جاتی ہے ننھی سی یہ زبان
 اس غم سے مجھکو صبر نہیں بیقرار ہوں
 بی بی تمہارے منہ سے بہت شرمسار ہوں
 تم تشنہ لب ہو اور ہیں سیراب وحش و طیر
 اپنا جنھیں سمجھتے تھے نکلے وہ لوگ غیر
 بس اب خدا اٹھائے بہت کی جہاں کی سیر
 مانگو دعا کہ باپ کا ہو خاتمہ بخیر
 بیکس پہ اب کرم اجل نیک پے کرے
 شبیر جلد آج کی منزل کو طے کرے
 لو الوداع گود میں اب والدہ کی جاؤ
 گھٹتا ہے خوں حسین کا آنسو نہ تم بہاؤ
 چھاتی سے پھر لپٹ کے ذرا منہ سے منہ ملاؤ
 اک بار اور کاکل مشکلیں کی بو سنگھاؤ
 آئیں نہ آج ہم تو سیکندہ نہ رویو
 شب کو پھوپھی کی چھاتی پہ منہ رکھ کے سویو
 بولی مچل کے وہ کہ نہ مانوں گی اے پدر
 جنگل میں چھوڑ کے مجھے جاؤ گے کس کے گھر
 بہلائیے نہ بیٹی کو یا شاہ بحر و بر
 یہ پیار آخری ہے مرے دل کو ہے خبر
 میں خوب جانتی ہوں کہ منہ موڑتے ہیں آپ
 صغرا تو واں چھٹی مجھے یاں چھوڑتے ہیں آپ
 مانوں نہ ایک میں کوئی مجھ سے کہے ہزار
 باتیں ہیں سب فراق کی یا شاہ نادر
 مجھکو اتارے دیتے ہو گودی سے بار بار
 بس بابا جان دیکھ لیا آپ کا بھی پیار

ہے ہے طبیعت آپ کی بیٹی سے ہٹ گئی

اتنی سی عمر میں مری قسمت الٹ گئی

حضرت کے سامنے تو ہے اعدا کا یہ ستم فاقے پہ فاقہ دکھ پہ ہے دکھ اور غم پہ غم
ہوگا نہ جب کوئی تو رہیں گے کدھر کے ہم شب کیسی دن کو دشت میں لٹ جائیں گے حرم

ہوں گے وہ ظلم جو نہ سنے ہوں جہان میں

ری گلوں میں ہوگی گلے ریسماں میں

۶۸-۸۲ صفحہ ۲۰-۲۲ جلد ۴

ان دونوں مقاموں میں ایک ہی مضمون لکھا گیا ہے لیکن ترتیب اور انداز بیان کے فرق سے اثر میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ دوسرے مقام میں حضرت سیکینہ کے بچپن کا لحاظ بہت کم رکھا گیا ہے اور ان کا طرز کلام بچوں کا سا نہیں ہے۔

۱۷۔ فاقہ توارث ہے ہمیں اس کا گلا نہیں گزرے ہیں تین روز کہ پانی ملا نہیں

کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں دن تیسرا ہے آج کہ پانی ملا نہیں

۱۰۹ صفحہ ۱۳۶ جلد ۳

اوپر کی دونوں بیتوں میں ایک ہی بات خفیف سے تغیر کے ساتھ کہی گئی ہے۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلی بیت میں دوسری بیت سے مضمون کچھ زیادہ ہے لیکن دوسری بیت میں پہلی بیت سے اثر زیادہ ہے۔ اس لیے شاعری کے نقطہ نظر سے دوسری بیت پہلی سے بہتر ہے۔ کیونکہ شاعرانہ کلام میں معنی کی زیادتی اثر کی زیادتی کے مقابلے میں وقعت نہیں رکھتی۔

۱۸۔ کسی فن کا کوئی بڑے سے بڑا استاد بھی یکا یک کمال کے انتہائی عروج تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس درجے تک پہنچنے کے لیے اس کو نو مشقی کی منزلوں سے گزرنا ضرور پڑتا ہے۔ انیس بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے، چنانچہ خود کہتے ہیں:

گل حدیقہ زہرا نے آبرو دے کر

کلی سے پھول کیا پھول سے گلاب مجھے

۱۹۔ ”مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی“، اس مرثیے میں انصار و اقربائے حسین

کی شان بیان کی ہے۔

۲۰۔ ابتدائی مرثیوں میں تشبیہیں، استعارے، جدت ادا، مناسبت الفاظ کم ہے ورنہ تسلسل، ربط، منظر نگاری، وغیرہ سب ہے، البتہ منظر نگاری اور واقعہ نگاری میں سیدھی سیدھی باتیں ہیں باریکیوں پر نظر نہیں ہے۔ انتقال ذہن کی قوت کم ہے اور ان تمام وجوہ سے اثر کم ہے۔
۲۱۔ انیس کا ہر مرثیہ ایک مکمل نظم ہوتا ہے۔ اس میں کسی ایسے واقعے سے کام نہیں لیا جاتا جس کا ذکر اس مرثیے میں موجود نہ ہو۔ مگر ابتدائی مرثیوں میں کہیں کہیں اس کے خلاف بھی ملتا ہے۔ مثلاً

رو کر کہا یہ حر نے کہ یا شاہ بحر و بر اکبر سے بھی عزیز ہے کیا یہ مرا پر
ماں اس کی شہر بانو سے کیا ہے زیادہ تر زہرا کا گھر مٹے نہ ہو برباد میرا گھر
برچھی کی نوک سینہ اکبر کے پار ہو
شہزادے پر غلام نہ رن میں نثار ہو

۷۸ صفحہ ۲۲۱ جلد ۲

تقصیر تو نے ایسی بھلا کی ہے میری کیا روکا جو تھا مجھے تو کچھ ایسی نہیں خطا
نادم ہوں میں نے ماں کا تری نام ہے لیا تو نے ادب سے صبر کیا اور نہ کچھ کہا
کی عرض حر نے ذکر یہ کیسا امام ہے
وہ آپ کی کنیر ہے خادم غلام ہے

۶۶ صفحہ ۲۲۰ جلد ۲

۲۲۔ لوگ مشکل لفظوں اور ترکیبوں سے بعض شعرا کی علمیت پر دلیل لاتے ہیں مگر انیس ادبیت کے ماہر تھے۔ ان کے ابتدائی مرثیوں میں تو غریب لفظ اور مشکل ترکیبیں کہیں کہیں پائی بھی جاتی ہیں لیکن آخر کے مرثیے ان سے بالکل پاک ہیں۔

۲۳۔ ابتدائی مرثیوں میں ردیف کا التزام کم ہے۔

۲۴۔ انیس کے ابتدائی مرثیوں میں دبیر کی طرح تعقید ہے۔ واقعات کا سیدھا سادہ بیان

ہے، جدت ادا، ایجاز اور ندرت کم ہے۔

۲۵۔ ابتدائی مرثیوں میں اکثر مصرعے لفظ اور سے شروع ہوتے ہیں۔ نو مشق شاعر اکثر مصرع پورا کرنے کے لیے 'اور' 'بس' وغیرہ سے بہت کام لیتے ہیں۔

۲۶۔ ایک ہی طرح کے مختلف مقامات کا مقابلہ اس بحث کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے تبصرہ

۲۷۔ یادداشت تاریخ مرثیہ ۱/۵۶ اور واقعات انیس صفحہ ۶۴ دیکھو۔

۲۸۔ میر انیس ابتدائے محل درد خیز کنائے، معلق الفاظ، اور توالی اضافات وغیرہ جن کو بعض لوگ غلطی سے مرثیے کی جان اور قابلیت کا نشان سمجھتے ہیں استعمال کرتے تھے مگر جس قدر مشق سخن بڑھتی گئی اور معیار شعر بلند ہوتا گیا اسی قدر وہ ان چیزوں کو ترک کرتے گئے۔

۲۹۔ ابتدا میں قدردانوں کی کمی کی شکایت کرتے ہیں۔

رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں ہے سر بسر حدیث حسن اس کلام میں
لب ہیں خموش پر ہے زباں اپنے کام میں گویا کہ ذوالفقار علی ہے نیام میں
دعوی نہیں غرور زباں آوری نہیں
جوہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں

(۱ صفحہ ۱۵۳ جلد ۳ بیت)

مگر آئندہ زیادتی کی امید رکھتے ہیں۔

بس اے انیس اب نہیں آگے بیاں کی تاب لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
گر قدرداں ہیں کم تو نہ کراتنا اضطراب جلدی مدد کریں گے شہ آسماں جناب
تو ذاکر حسین علیہ السلام ہے
تیری انھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

۱۴۹ صفحہ ۳۵۹ جلد ۱

برنگ سبزہ بیگانہ باغ دہر میں تھا
ترے سحاب کرم نے کیا نہال مجھے

شعر ۳ صفحہ ۳۷ جلد ۲

یہ کہہ کے جھک گیا سوے شیریں سر حسین غل پڑ گیا کہ ہائے شہنشاہ مشرقین

بس اے انیس آگے نہ کہہ بی بیوں کے بین راحت جگر کو ہے کوئی ساعت نہ دل کو چین
دنیا میں کیا کسی کا مقدر پہ زور ہے
شیریں تو ہے کلام مگر بخت شور ہے

۶۰ صفحہ ۲۱۹ جلد ۴

خاموش انیس اب کہ ہے دل پر الم ورنج یہ مرثیہ تو لیس گے جواہر میں خن سنخ
دنیا کی دورنگی سے نہ کر دل میں شش و پنج مومن جو ہیں ان کے لیے یاں رنج ہے واں گنج
مطلب نہ کسی سے نہ علاقہ ہے کسی سے
لیویں گے صلہ اس کا حسین ابن علی سے

۱۲۵ صفحہ ۷۰ جلد ۱

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دل زار کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار فیاض ہے لیکن شہ مظلوم کی سرکار
افردہ نہ ہو غنچہ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

۱۸۰ صفحہ ۱۸۰ جلد ۱

بس اے انیس اب تو ہے شور و فغان و آہ آئیں زبان دل سے کہیں عاشقان شاہ
آباد لکھنؤ رہے تا حشر یا الہ رکھ شہ کے دوستوں کو جہاں میں بجز و جاہ
یارب ہرا بھرا چمن آرزو رہے
جب تک جہاں میں گل رہے اور گل میں بورہے

رباعی

امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی اللہ جزا دے اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیس ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی

صفحہ ۲۶۸ جلد ۳

۳۰۔ ابتدا میں انیس نے مذاق عام کی تقلید کسی قدر کی۔ سراپا لکھا، صنائع استعمال کیے مگر رفتہ رفتہ لوگوں کو اپنا ہم مذاق بنالیا۔



۲۴۔ ردیف اور قافیہ کا حسن استعمال

بعض لوگ قافیہ اور ردیف کو بے ضرورت قیود سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان سے کلام غیر فطری ہو جاتا ہے۔ لیکن وزن خود ہی غیر فطری شے ہے۔ فطرتاً انسان کلام موزوں میں اپنا مطلب کبھی نہیں ادا کرتا۔ اگر کلام کا اثر بڑھانے کے لیے شعر میں وزن ضروری ہے تو ردیف و قافیہ سے بھی یقیناً کلام کا حسن اور اثر بڑھتا ہے اس لیے شاعرانہ کلام کے لیے یہ چیزیں بھی یقیناً ضروری ہیں۔ اگر کوئی شخص ردیف و قافیہ کے قیود کے ساتھ اظہار مطالب میں عاجز ہو تو اس کو بیشک ان قیود سے آزاد رہنا چاہیے لیکن اگر کوئی قادر الکلام ان قیود سے شعر کے حسن و اثر میں اضافہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے قافیہ اور ردیف کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

آج کل لوگ قافیہ ہی کو ناپسند کرنے لگے ہیں، ردیف کو تو بالکل ہی عذاب جان سمجھنے لگے۔ انیس کی ایک بیت ہے:

کیونکر نہ ہو کہ دونوں میں خو ہے بتول کی بیٹی ہے ایک ایک بہو ہے بتول کی
صفحہ ۳۰ جلد ۴

اگر ردیف قافیہ سے چسپاں ہو تو اس کے لانے سے شعر کی روانی میں فرق نہیں پڑتا۔
جز اک ردائے کہنہ نہ تھی دوسری ردا اس میں بھی لیفِ خرمہ کے پیوند جا بجا
بستر سے تھا کبھی نہ تن پاک آشنا فرشِ زمیں تھا خواہگہ بنتِ مصطفیٰ
دنیا میں جیتے جی کبھی راحت نہیں ملی
فاقوں میں گر ملی بھی تو نانِ جویں ملی

آجکل بعض لوگ قافیہ کو کسی قدر اور ردیف کو بالکل ناپسند کرتے ہیں اس لیے کہ ان قیود سے کلام میں آمد، بے ساختگی اور فطری پن باقی نہیں رہتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو قادر الکلام ان تمام شرائط کے ساتھ قافیہ اور ردیف کا استعمال کر چکے ہیں ان کا کلام سحر بن جاتا ہے۔ اس نکتے کو سمجھنا ہو تو انیس کا کلام غور سے پڑھو۔ پرانے مرثیوں میں مصرعے بالعموم غیر مردف ہیں۔ مرزا دبیر کے بھی مرثیوں کا یہی حال ہے مگر میر انیس کے یہاں ردیف کا التزام بہت زیادہ ہے۔ غیر مردف بدان کے یہاں بہت کم ہیں۔

مسدس کے چار مصرعوں میں اگر ردیف ایک ہی معنی میں آئے تو خاص حالتوں کے سوا اچھی نہ معلوم ہوگی۔ لیکن انیس کے یہاں ردیف ایک ہی معنی کی تکرار نہیں کرتی بلکہ اکثر ہر مصرع میں نئے معنی دیتی ہے۔ اور اس کی تکرار سے خاص دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً

یاں فوج پہ تلوار علمدار نے کھینچی واں آہ حزیں سید ابرار نے کھینچی
تصویر اجل آنکھوں میں تلوار نے کھینچی گھوڑے کی عنایں ڈر کے ہر اسوار نے کھینچی

سر پر ابھی پہنچی تھی نہ بیداد گروں کے
ہاتھوں سے گرے چھوٹ کے گردے سپروں کے

۶۸ صفحہ ۲۶۶ جلد ۱

ٹھہرو غنان تو سن عمر رواں نہ لو ساتھی تھکا ہوا ہے رہ کارواں نہ لو
کروٹ کراہ کے مرے آرام جاں نہ لو لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو

مر جاؤں گا میں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتہ جاں ٹوٹ جائے گا

۱۲۱ صفحہ ۲۹۹ جلد ۱

ڈوبے لہو میں گھاٹ ستمگار روک کے دم بھر نہ تھم سکا کوئی اک وار روک کے
جب بھاگتا سپر کو سیہ کار روک کے عباس مسکراتے تھے تلوار روک کے

ٹھہرا جہاں لیا وہیں گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار بچتا ہے پنچے سے شیر کے

۱۷۶ صفحہ ۱۶۰ جلد ۲

انیس نے نہایت مشکل قافیے اور ردیفیں اس حسن سے استعمال کی ہیں کہ ان کے مشکل ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ مثالوں کے لیے دیکھو تبصرہ
پرانے مرثیہ گوئیوں نے ردیف کا التزام بہت کم کیا ہے، لیکن انیس نے ردیف کو لازم کر لیا ہے۔ ان کے مردف بندوں کی تعداد غیر مردف بندوں سے بہت زیادہ ہے۔



۲۵۔ اصلاح مذاق اور تجدید شاعری

ابتدا میں انیس نے مذاق عام کی تقلید کی۔ سراپا بھی لکھا اور رعایت لفظی سے بھی کام لیا لیکن رفتہ رفتہ دوسروں کو اپنا ہم مذاق بنا لیا۔ انیس مصلح مذاق اور مجدد شاعری تھے۔

اس زمانے میں لکھنؤ کا مذاق سخن اس قدر بگڑ گیا تھا کہ شیخ ناسخ زبان ہی کے نہیں بلکہ شاعری کے بھی استاذ الاساتذہ مانے جاتے تھے، اور ان کے شاگرد رشک، برق وغیرہ بھی استاد سمجھے جاتے تھے۔ ایسے زمانے میں اگر مرزا دبیر کو لوگوں نے انیس کا مقابل قرار دیا تو کیا تعجب ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ انیس دبیر کے حریف مقابل مان لیے گئے۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ مرزا دبیر مرثیہ گوئی میں اہل لکھنؤ کے دل میں اپنا سکہ بٹھا چکے تھے۔ اس وقت ایک نو وارد فیض آباد سے آیا اور اہل لکھنؤ نے اس کو دبیر کا مقابل بلکہ ہزاروں نے دبیر سے بہتر مان لیا۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ انیس نے بزور قلم اپنی عظمت منوالی۔

ناسخ کی پھسکی بے اثر اور نحوی شاعری اور مرزا دبیر کی لفظی اور صنعتی شاعری کے خوگروں کو انیس کی جذباتی اور مصورانہ شاعری سے لطف اندوز ہونے میں کچھ وقت لگا ہوگا۔ مذاق عام کا بدلینا آسان کام نہیں ہے۔ انیس نے اہل لکھنؤ کا مذاق شعر درست کر دیا۔ اس سلسلے میں مراٹھی انیس کے وہ مقطعات نقل کرنا چاہیے جن میں انھوں نے ابتداء قدر دانوں کی قلت اور بالآخر ان کی کثرت کا ذکر کیا ہے۔

انیس نے لکھا ہے کہ مرثیہ ایسا ہونا چاہیے جس سے دل بھی محفوظ ہوں، رقت بھی ہو، تعریف بھی ہو۔ مگر انیسی دور سے پہلے مرثیے کا مقصد محض رقت ہوتا تھا۔ دل کو محفوظ کرنے اور زبان سے تعریف کروانے کی صفت نہ ہوتی تھی۔

انیس سے پہلے اردو شاعری میں واقعہ نگاری، سیرت نگاری اور منظر نگاری گویا تھی ہی نہیں۔ سیرت نگاری تو گویا بالکل معدوم تھی اس لیے کلام انیس کی حقیقی خوبیاں مدت تک نظر نہ آسکیں۔

انیس کے سامنے ہومر اور شیکسپیر کے کلام کے نمونے موجود نہ تھے۔ ان کی نظر سے نفسیات کی کوئی کتاب نہیں گزری تھی۔ اس پر فطرت انسانی کے جن نازک پہلوؤں پر انیس کی نظر پڑتی ہے وہ حیرت انگیز ہے اور ان کا بیان جس اسلوب سے کرتے ہیں وہ اس سے زیادہ حیرت انگیز ہے۔

انیس کے کلام کو کسی مقررہ معیار سے جانچنا انیس کے مرتبے کو گھٹانا ہے۔ وہ فن بلاغت اور فن تنقید کے تمام اصولوں سے بالاتر ہے۔ ہاں اگر کوئی صحیح المذاق نکتہ میں شخص کلام انیس کا بغور مطالعہ کرے تو وہ اسی سے شاعری بالخصوص مرثیے کی تنقید کے اصول نکال سکتا ہے۔ اس اعتبار سے ہومر کو جو درجہ یونانی زبان میں حاصل تھا اردو میں وہی مرتبہ انیس کا سمجھنا چاہیے۔



۲۶۔ دشوار گزار راہیں

انیس نے بڑے دشوار گزار راستوں کو نہایت کامیابی سے طے کیا ہے اور بعض ایسے نازک مقامات لکھے ہیں جن پر قلم اٹھانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔ مثلاً جناب زینب کا حسن لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال نکلی حرم سے ایک زن فاطمہ جمال گویا جناب سیدہ کھولے ہوئے تھیں بال تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

۱۶۰ صفحہ ۳۷۹ جلد ۱

حضرت زینب کا بیٹوں کی لاشوں کی موجودگی میں مسکرانا۔

حضرت سے کہا آپ کو ایذا ہوئی یا شاہ کس طرح لڑے دونوں غلامان ہوا خواہ حضرت نے کہا مدح میں قاصر ہے زباں آہ زینب مجھے یاد آگئی جنگ اسد اللہ

نانا کی طرح دونوں نواسوں نے وفا کی

بچوں کی نہ تھی جنگ یہ قدرت تھی خدا کی

تیغوں میں یہ تیزی یہ صفائی نہیں دیکھی یہ ضرب یہ پھرتی یہ لڑائی نہیں دیکھی تیغوں کی یہ پر زور کلائی نہیں دیکھی اعدا میں یہ ہلچل یہ دہائی نہیں دیکھی

صفین و جمل میں بھی رن ایسے نہ پڑے تھے

تم پوچھ لو عباس تو نزدیک کھڑے تھے

عباس نے کی عرض زباں لاؤں کہاں سے جو کر گئے یہ لال وہ باہر ہے بیاں سے

لڑتے تھے اسی طرح علی فوج گراں سے افسوس کہ یوں اٹھ گئے یہ شیر جہاں سے
 تلواریں جب ان کی مجھے یاد آتی ہیں آقا
 دو بجلیاں آنکھوں میں چمک جاتی ہیں آقا
 کیا عرض کروں ہائے محمد کی لڑائی گویا کہ یہ دیکھے ہوئے تھا جد کی لڑائی
 بس صاف تھی صفین کی سرحد کی لڑائی غل تھا کہ یہ ہے بازوے احمد کی لڑائی
 دن پر جو چڑھا ہو وہی جانے کہ یہ کیا تھا
 دنیا میں علی آج جو ہوتے تو مزا تھا
 یہ سنتے ہی سرخی سی رخ زرد پہ آئی حضرت سے کہا آپ کا صدقہ ہے یہ بھائی
 کونین میں عزت مرے دل بندوں نے پائی اب شاد ہوئی ان سے ید اللہ کی جائی
 آقا مجھے پیار آتا ہے اقبال پہ ان کے
 بیکس ہیں خدا رحم کرے حال پہ ان کے

۱۵۶ صفحہ ۲۳۱-۲۳۲ جلد ۲

حضرت عباس کو علم ملنے پر ان کی زوجہ کا سسرالی بزرگ کی موجودگی میں شوہر کو مبارک
 باد دینا، حضرت زینب کا دعا کرنا کہ خدا میرے بیٹوں کا مرنا مجھے مبارک کرے۔
 مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ پائیں ظفر اس لشکر کیوں پر شہ ذیجاہ
 قاسم کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ اب دھوم سے اپنے علی اکبر کا کروں بیاہ
 تم روؤ نہ ماں ہو کے میں روئی نہیں لوگو
 اکبر سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

۸ صفحہ ۱۹۳ جلد ۱

انیس اکثر مقامات کو خود دشوار گزار بنا لیتے ہیں اور پھر ان کو نہایت حسن سے طے
 کر کے اپنے کمال کا خود مزہ لیتے ہیں اور دیکھنے والوں کو محو حیرت کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں
 بعض رنھتیں اور مسافر نجف کی روایت مثال میں پیش کرو۔



۲۷۔ مرثیے کا تاریخ سے تعلق

بعض لوگ مرثیوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ ان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ مرثیہ شاعری ہے تاریخ نہیں اور مرثیہ گو شاعر ہوتا ہے نہ کہ مورخ، کسی واقعہ نگار شاعر کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ واقعہ کے تمام جزئیات میں تاریخ کی پیروی کرے۔ وہ تو واقعات کا صرف خاکہ تاریخ سے لے لیتا ہے اور اپنی تخیل سے اس میں رنگ بھرتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی شاعری تاریخ منظوم ہو جائے گی۔ اور وہ خود شاعر کے بلند مرتبہ سے گر کر صرف ناظم رہ جائے گا۔ البتہ یہ اس کا فرض اور بہت بڑا فرض ہے کہ وہ واقعہ کو اپنی تخیل سے خواہ کتنا ہی بدل دے مگر وہ فطرت کے خلاف اور امکان سے دور نہ ہونے پائے، اس کے اجزا میں تضاد نہ ہو اور اشخاص کی جو سیرت اس نے قائم کی ہے وہ تاریخ کے مطابق ہو یا نہ ہو یہ ضروری ہے کہ اس کی نظم میں کوئی فعل اس سیرت کے خلاف ان سے سرزد نہ ہو اور کوئی بات اس کے خلاف ان کی زبان سے نہ نکلے۔ انیس خود بھی صاف صاف کہتے ہیں کہ مرثیہ تاریخ نہیں ہے۔

ہے رتبہ مدح چمن فاطمہ عالی ہاں باندھ لو گلدستہ مضمون خیالی
ہر مصرع شاداب ہواک پھولوں کی ڈالی لفظوں کے بھی غنچے ہوں نزاکت سے نہ خالی
لبریز لطافت سے ہو رنگین سخن ایسا
رضواں بھی پکارے نہیں دیکھا چمن ایسا

۴ صفحہ ۱۷ جلد ۴

انیس نے ضعیف روایتیں نظم کی ہیں مگر کم اور صرف وہی جو عام طور پر مرثیہ نگاری

میں رائج ہیں۔ مثلاً حضرت قاسم کا عقد، شہر بانو کا خواب، حضرت سکینہ کا زندانِ شام میں انتقال کرنا۔

انیس نے واقعہ کربلا کے علاوہ بے جوڑ اور بے تعلق روایتیں لکھ لکھ کر اپنے کلام کی مقدار نہیں بڑھائی اور اس آسان ذریعے سے اپنے کلام میں تنوع نہیں پیدا کیا ہے بلکہ ایک ہی واقعے کو کئی کئی طرح بیان کر کے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ انیس کے کلام کی اس خصوصیت کا تفصیلی بیان قادر الکلامی کے تحت میں کیا گیا ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

انیس واقعہ کربلا کی تاریخی تفصیلات کا علم رکھتے تھے اور ان کے بعض بیانات تاریخ کے بعض مقامات کے ترجمے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے مرثیوں میں یزیدیوں اور حسینیوں کے نام اور ان کے کارناموں کی تفصیل اکثر مقامات پر موجود ہے لیکن چونکہ وہ شاعری اور تاریخ منظوم کا فرق سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے ہر جگہ تاریخ کی پیروی ضروری نہیں سمجھی۔ بعض بیانات تاریخوں میں اس طرح کے موجود ہیں جو خلاف قیاس یا خلاف عادت معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن دنیا بھر کی مذہبی تاریخیں اس قسم کے واقعات سے مملو ہیں اور ان کو نظم کر دینے سے شاعر پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

میر عبد الواسع سے بحث اور مرثیے کا مثنوی مولوی روم سے مقابلہ

”دنیا میں جتنے بڑے شاعر جہاں جہاں گزرے ہیں سب فسانہ نگار تھے۔ ورنہ فلسفہ و تصوف، تغزل و پند و عبرت و قومی مرثیہ وغیرہ گو قابل ستائش ہیں اور ان فنون میں بھی بڑے بڑے کارنامے اساتذہ روزگار کے موجود ہیں لیکن اس میدان سے کوسوں دور ہیں۔ قدما کے نزدیک ان چیزوں کا شمار مقطعات میں ہے۔ غیر شاعر کا بھی اس میں حصہ ہے۔ مگر فسانہ نگاری ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ یوں تو کہانی کہہ لینا کون نہیں جانتا مگر آسمان کے تارے توڑ لانا ہر اک کی دسترس سے باہر ہے۔ اس میدان میں شاعر اپنے پاس غیر کو نہیں آنے دیتا۔ القاص لا یحب القاص“

(علامہ طباطبائی۔ مراثی انیس جلد دوم۔ خاتمہ صفحہ ۵۱۸)

”شاعری میں اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہیں کیا جاتا بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہیں، اگر وہ ان باتوں پر یقین رکھتا ہے، ان کے اثر سے لبریز ہے اور جس قدر اس کے دل پر اثر ہے اسی جوش کے ساتھ اس کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس کی شاعری بالکل اصلی ہے۔ فرض کرو کہ شاہنامہ کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جائیں تو اس سے فردوسی کے کمال شاعری میں کیا فرق آجائے گا۔“

(موازنہ انیس و دبیر صفحہ ۲۱۶)

”کربلا کے واقعات جو میر انیس اور تمام مرثیہ گوئیوں کا موضوع شاعری ہے جہاں تک تاریخ و روایت سے ثابت ہیں نہایت مختصر ہیں لیکن مرثیہ گوئیوں نے ان میں نہایت وسعت پیدا کی ہے، بعض جگہ محض اک اجمالی واقعہ مذکور تھا اس کو اس قدر وسعت دی کہ واقعے کے تمام جزئیات بیان کر دیے۔ بعض جگہ روایت میں اس واقعہ کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اس واقعے کا پیش آنا ضرور تھا واقعے کو فرض کر لیا ہے اور پھر اس کو اس طرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ من و عن روایتوں میں مذکور تھا۔“

مثلاً حضرت عباس کو علم ملنے پر عون و محمد کو رنج ہونا۔ حضرت علی اکبر کا پہلے ماں سے اجازت جنگ مانگنے پر حضرت زینب کا آزر دہ ہونا۔ حضرت شہر بانو کا علی اکبر سے امام حسین کو تنہا چھوڑ کر چلے آنے پر ناراض ہو جانا۔ ان تمام واقعات کا تاریخ میں پتہ نہیں ہے۔

(موازنہ انیس و دبیر صفحہ ۳۷-۳۸)



۲۸۔ زبان خاموشی

انیس کو جب کسی کام میں کچھ دیر کا وقفہ دکھانا ہوتا ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ تھوڑی دیر کے بعد ایسا ہوا بلکہ اس واقعہ کو کسی اور مضمون کو طول دے کر ظاہر کرتے ہیں مثلاً ”جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے“ اس مرثیے میں پہلے بند کے بعد صبح کا منظر طول دے کر دکھایا اس کے بعد لکھا ع: ”ناگاہ چرخ پر خط ابیض ہوا عیاں“

یا حسب ذیل بند

اکبر نے کہا خیر تھکا گر ہے تو دم لے بے تیرے بڑھے وار کریں ہم تو قسم لے
دم لے کے بس اب میان سے شمشیر و دوم لے کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
ناخن جو نہ ہو عقدہ مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا

مرغوب ہے درہم کی نہ دینار کی جھنکار بھاتی ہے نہ زنجیر کی نہ تار کی جھنکار
دلچسپ نہیں ظرف طلاکار کی جھنکار کانوں کی بھلی لگتی ہے تلوار کی جھنکار
وارفتہ اسی کی ہے زرہ ڈھال اسی کی
کٹتے ہیں گلے جس سے وہ ہے چال اسی کی

ہے طول اہل نیزہ خطی کا ہلاتا کرتی ہے کماں تیر سفاہت کا نشانا
ہے گرز فقط بار گراں دوش پہ لانا لوہے کو مگر تیغ کے مانے ہے زمانا
ایسا کوئی منصف ہے عرب میں نہ عجم میں
جب کھنچ گئی تلوار تو ہے فیصلہ دم میں
خوشر ہے خم اس کا خم ابروے صنم سے بت اس نے نکالے ہیں اشارے میں حرم سے

پایا ہے رہ راست کو تلواری کے خم سے سیکھے کوئی آتش نفسی تیغ دو دم سے

دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہے اس کو

سیفی کی دعا ورد زباں رہتی ہے اس کو

تلوار سے کانپا کیے کفار عرب سب دنیا سے جہنم کو گئے عنتر و مرحب

سرتا بقدم عمرو بھی تھا جہل مرکب ظلمت نہ رہی کفر کی وہ قتل ہوا جب

نصرت تھی جدھر تیغ چلی حق کے ولی کی

اللہ نے کی آپ ثنا ضرب علی

سرسبز کیا گلشن اسلام اسی نے کعبہ سے جدا کر دیے اصنام اسی نے

شاہوں کو دیے موت کے پیغام اسی نے قبضے میں کیا روم سے تا شام اسی نے

کانپا کیے شاہان جہاں حرب سے اس کی

جاری ہوا سکے کا چلن ضرب سے اس کی

آفاق میں ہے دبکہ شاہی کا اسی سے آغاز ہے ملکوں کی تباہی کا اسی سے

اقبال چمکتا ہے سپاہی کا اسی سے بیٹھا ہے عمل شیر الہی کا اسی سے

یاد ان کو نہ بھولی کوئی دم تیغ علی کی

جبریل بھی کھاتے ہیں قسم تیغ علی کی

چار آئینہ مردوں کے لیے دفع ضرر ہے جوہر ہیں زرہ قبضۂ شمشیر سپر ہے

گہہ ہاتھ کی زینت ہے گہے زیب کمر ہے رکھ لیجیے پہلو میں تو آرام جگر ہے

خوش قد ہے خوش اسلوب ہے خوشرو ہے حسیں ہے

جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہے

جب تیزی شمشیر زباں اس کو دکھائی ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ حرارت اسے آئی

تلوار علم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی

خورشید ہوا زرد اڑی گرد یہ بن کی

گھوڑے کی تگا پوسے زمیں ہل گئی رن کی

کے بعد ہی یا فوراً ایسا ہوا بلکہ اس کام کے بعد فوراً دوسرے کام کا ذکر کر دیتے ہیں مثلاً
 تن کے دیکھا طرف فوج امام ابرار پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہوار
 ع: وہ عاشق حسین یہ کہتے ہی بس چلا ۶۳ صفحہ ۲۰۳ جلد ۲
 یہ خوبیاں وہی شاعروں کے یہاں ہوتی ہیں کہ کہیں طول سے کوئی خاص کیفیت ظاہر ہوتی
 ہے، کہیں اختصار سے کوئی خاص مطلب ادا ہوتا ہے، کہیں خاموشی سے کوئی خاص بات نکلتی
 ہے۔ مقابلہ کرو

حریفاں یکے مجلس آراستہ نشستہ و گفتند و برخاستہ
 حسینی تربیت کی طرف موثر اشارا

حضرت فاطمہ کی مفلسی کی طرف موثر اشارا

نگاہیں اکثر وہ نازک مطلب ادا کر دیتی ہیں جو زبان ادا نہیں کر سکتی۔ انیس اس نکتے پر
 ہمیشہ نظر رکھتے ہیں اور ان نازک مطالب کو ہمیشہ نگاہ سے ادا کر دیتے ہیں مثلاً
 ع: بیڑی کو کبھی اور کبھی افلاک کو دیکھا
 نہنہ پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر ہے
 ع: گہہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانب علم
 انیس اکثر جذبات اور خیالات کو لفظوں میں بیان کرنے کی جگہ چہرے کے وہ تغیرات
 اور اعضا کے وہ حرکات دکھا دیتے ہیں جو ان جذبات و خیالات کے ساتھ فطرتاً ہوتے ہیں۔
 ع: نہ جانب علم تھی نہ ماں کی طرف نظر

۴ صفحہ ۱۷۲ جلد ۱-ن

صحرا پہ کبھی گاہ ترائی پہ نظر تھی
 بیٹے پہ کبھی اور کبھی بھائی پہ نظر تھی

۹ صفحہ ۱۳۱ جلد ۲

یہ ثبوت ہے اس کا کہ انیس میں ایکٹنگ کی قدرت فطرتاً موجود تھی اور یہ گویا اسٹج
 ڈائرکشنز بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ایکٹروں کے لیے تفصیلی ہدایتیں ہیں جو سوا ایکٹنگ کے
 ماہروں کے کوئی بتا ہی نہیں سکتا۔ یہی سبب تھا کہ انیس مرثیہ خوب پڑھتے تھے۔



۲۹۔ مرثیے کی تنقید

مرثیے یا کسی مسلسل نظم کی تنقید کا سلیقہ اب تک عام طور پر نہیں پایا جاتا۔ غزل کی تنقید کا یہ طریقہ مدتوں سے رائج ہے کہ لوگ لفظوں اور محاوروں کی صحت اور محل استعمال وغیرہ کے متعلق موشگافیاں کرتے ہیں۔ یہ عادت اس قدر مضبوط ہو گئی ہے کہ مسلسل نظموں میں بھی لوگ ہر مصرع پر الگ الگ نظر کرتے ہیں اور لفظی نزاعوں میں پڑ جاتے ہیں۔ پوری نظم پر یا اس کے ایک مقام پر مجموعی حیثیت سے نظر نہیں کر سکتے۔ مسلسل نظموں کی طرح مرثیوں میں بھی مصرعے بذات خود تواضع نہیں ہوتے لیکن کسی تصویر یا کسی بیان کی تکمیل کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر ہر مصرعے پر الگ الگ نظر کی جائے تو اعتراض پیدا ہوگا لیکن اگر پوری تصویر یا بیان پر نظر کی جائے تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر ہر مصرع الگ الگ بہت اچھا ہو لیکن مجموعی بیان اچھا نہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک خوبصورت درخت پر نظر کیجیے اگر اس کی ہر شاخ کو الگ الگ دیکھیے تو نہایت بد قطع معلوم ہووے لیکن انھیں بد قطع شاخوں کا مجموعہ نہایت خوبصورت درخت دکھائی دیتا ہے۔ اگر کسی درخت کی خوبصورت خوبصورت شاخیں کسی تنے میں بد سلیقگی سے لگادی جائیں تو درخت مجموعی پر نہایت بد صورت معلوم ہوگا۔

بعض لوگ الفاظ و محاورات کی صحت کے اس قدر درپے رہتے ہیں کہ کسی معمولی سے نحوی یا لسانی نقص کا احساس کلام کے تمام شاعرانہ محاسن پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ شعر کی تنقید کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ اس میں زبان اور محاورے سے زیادہ اثر کو دیکھنا چاہیے۔ اگر کوئی شعر زبان کے اعتبار سے بالکل صحیح ہو لیکن اس میں اثر نہ ہو تو وہ اس شعر سے کہیں پست

ٹھہرے گا جس میں زبان کا کوئی سقم ہو۔ لیکن نہایت موثر ہو مثلاً ع:
بیڑی کو کبھی اور کبھی افلاک کو دیکھا

زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے تلواریں میں

ان دونوں مثالوں میں آسمان کی جگہ 'افلاک' اور 'ابراروں' کا استعمال نقص سے خالی نہیں ہے۔
لیکن اثر کے اعتبار سے یہ دونوں مثالیں اعلیٰ درجے کی شاعری میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔
اگر کوئی شخص ان خفیف نقائص کی بنا پر کوئی لطف نہ لے سکے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ شعر کی حقیقت
سے ناواقف ہے۔ اس شخص کی حالت رحم کے قابل ہے جس کو چاند کے داغ کا احساس
چاندنی کے لطف سے محروم کر دے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مرزا دبیر کے یہاں مضامین بہت بلند اور نادر موجود ہیں،
جیسے انیس کے یہاں نہیں ملتے۔ انیس کے یہاں معمولی مضامین ہیں، صرف سلیقے سے ترتیب
دیے گئے ہیں اور اسی خیال کی بنا پر وہ دبیر کو انیس سے بڑا شاعر سمجھتے ہیں لیکن اگر ان کا یہ خیال
صحیح ہوتا تو بھی انیس ہی دبیر سے بڑے شاعر قرار پاتے اس لیے کہ شعر میں ترتیب الفاظ کو اتنی
اہمیت حاصل ہے کہ اس کا دوسرا نام ہی نظم ہے۔ حقیقت میں انیس کے یہاں مضامین عالی کی
کمی نہیں لیکن ان کو ایسے صاف اور دلنشیں اسلوب میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان
کی ندرت کا احساس نہیں ہوتا۔ گویا انیس کا زیادہ کلام غالب کے اس شعر کا مصداق ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

یہ انداز بیان انیس کے قادر الکلام شاعر ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ جن لوگوں کا مذاق شعر صحیح
نہیں ہے ان کو کلام کا یہ وصف دکھائی نہیں دیتا اور ہیرے کو شیشہ اور پوت کو موتی سمجھتے ہیں۔

جس زمانے میں بھیڑیے گرگابی پر آنکھیں ملتے ہوں، دروازے کی بلی مرغ دل کو
توڑتی ہو، ناک کا چوہا رخت تن کو کترتا ہو، اس زمانے میں اگر شامی کباب پسند اجل ہی نہیں
بلکہ پسند خلایق ہو جائیں تو کیا تعجب ہے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ایک شاعر رنگ زمانہ کے
خلاف چلتا ہے اور نیزہ قلم کے زور سے میدان سخن لے لیتا ہے۔

۳۰۔ مطبوعہ مرثیے غلط ہیں

میر انیس کے مرثیوں کی مطبوعہ جلدوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ انیس کے مرثیے کس قدر غلط چھپے ہیں۔ لفظوں کی غلطیاں تو شمار سے زیادہ ہیں بعض پورے پورے مصرع غلط ہیں۔ ترتیب میں بھی غلطیاں ہیں۔ بند میں کسی کا مصرع کہیں اور مرثیے میں کہیں کا بند کہیں لگ گیا ہے۔ ایک مرثیے کے بند دوسرے مرثیے میں بھی لگ گئے ہیں۔ بہت بہت سے بند چھوٹ گئے ہیں۔ بعض جگہ دوسروں کے کہے ہوئے بند شامل ہو گئے ہیں۔ بعض مرثیے دوسرے شاعروں کے انیس کے نام سے منسوب ہو گئے ہیں۔

جب ہوئے عازم گلگشت شہادت قاسم

صفحہ ۲۲۵ جلد ۲ یہ مرثیہ بے حد غلط چھپا ہے۔

اس کے بعد ۱۹ و ۲۲ و ۲۵ کی بیتیں وہی ہیں جو علی الترتیب بند ۱۰ و ۱۳ و ۱۶ کی ہیں۔ بند ۲۹، ۳۲، ۳۵ کی بیتیں اور بند ۳۰، ۳۳، ۳۶ ایک دوسرے مرثیے کے لگ گئے ہیں جس کا مطلع ہے:

جب حر کو ملا خلعت پر خون شہادت

بند ۷ صفحہ ۲۵۱ جلد ۲ اور بند ۳ صفحہ ۲۱۳ جلد ۲ کے ابتدائی دو مصرعے ایک ہی ہیں۔ بند ۱۰۸ صفحہ ۳۲۲ جلد ۲ اور بند ۸۱ صفحہ ۱۲۷ جلد ۳ اور بند ۵۴ صفحہ ۱۷۶ جلد ۳ ایک ہی ہیں۔ بند ۴، ۵ صفحہ ۲۹۵ جلد ۲ کی بیت ایک ہی ہے۔ بند ۷۰، ۷۱ صفحہ ۳۰۲ جلد ۳ کی بیت ایک ہی ہے۔

دو مرثیوں میں جن کے مطلع درج ذیل ہیں آخری بند ایک ہی لکھ دیا گیا ہے:

۱۔ جب زلف کو کھولے ہوئے لیلایے شب آئی جلد اول صفحہ ۱۶۱

۲۔ جب لاشہ قاسم کو علمدار نے دیکھا جلد اول صفحہ ۲۰۹

مندرجہ ذیل دونوں مرثیوں کے آخری چند بند ملتے ہوئے ہیں۔

۱۔ جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا

۲۔ کیا غازیان فوج خدا نام کر گئے

جب قیدیوں کو خانہ زنداں میں شب ہوئی

اس مرثیے کے آخر میں بہت سے بند چھوٹ گئے ہیں۔

بند ۲۷ صفحہ ۴۵ جلد ۳ کے بعد غالباً کئی بند چھوٹ گئے ہیں۔ ۱۵۳ صفحہ ۳۱۱ جلد ۴ کے بعد کئی بند

غائب معلوم ہوتے ہیں۔

(اغلاط کتابت کی مثالیں — بند ۷۰ صفحہ ۱۰ جلد ۳)

رطب اللساں ہوں مدح شہ خاص و عام میں

صفحہ ۱۵۳ جلد ۳ اس مرثیے کے چہرے میں انیس نے اپنے کلام کی تعریف کی ہے اور

یہ بھی اس سلسلے میں کہا ہے ع: کہتے ہیں انتظام جسے ہے وہ حق مرا لیکن یہ مرثیہ ۴۸

بند تک بے انتظامی کا نمونہ ہے۔ بند ۴۹ سے جس پر ”مطلع چہارم“ لکھا ہوا ہے انتظام ٹھیک

ہو گیا ہے۔ ابتدا میں بالخصوص سراپا کے بیان میں بہت بھونڈی تخیل صرف کی گئی ہے۔ اس

مرثیے کے یہ دونوں ٹکڑے بالکل الگ معلوم ہوتے ہیں۔ میر انیس کے مطبوعہ مرثیے مرزا

صائب کے اس قول کی تصدیق کرتے ہیں۔

ہج از چنگیز خاں بر عالم صورت نہ رفت آں ستم کز کتاباں بر عالم معنی رود

گو پیر ہوں پر زور جوانی ہے ابھی تک سوکھے ہوئے دریا میں روانی ہے ابھی تک

یہ اور کئی بند مندرجہ ذیل دو مرثیوں میں مشترک ہیں۔

ع: دوزخ سے جو آزاد کیا حر کو خدا نے

ع: کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا

۴۰۹، ۱۳۰، ۱۳۱ جلد اول نظامی پریس

مطبوعہ مرثیوں کے غلط ہونے کے متعلق دیکھو، طباطبائی کا بیان خاتمہ جلد دوم

مراثی انیس مطبوعہ نظامی پریس ۵۲۳ھ



۳۱۔ متفرقات

- (۱) ع: رخصت ہے بی بیوزن بیوہ کے لال کی ۶۳ صفحہ ۲۵۷ جلد ۲
- ع: برچھیوں سے زن بیوہ کے پسر کو مارا ۲۸ صفحہ ۲۲۸ جلد ۲
- ع: بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسین کے ۱۳۳ صفحہ ۲۶۵ جلد ۲
- (۲) ع: اڑاڑ کے برچھیوں جو اترتا تھا کھیت میں ۱۳۳ صفحہ ۲۸۳ جلد ۲
- ع: جب ہاتھ اٹھا برچھیوں پھراتا تھا گھوڑا ۹۹ صفحہ ۹۳ جلد ۳
- (۳) انیس نے ہندی الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو شاید کسی شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔
- (۴) لیکن انیس کے سلیقہ استعمال نے ان سب کو بالکل مانوس کر دیا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

- ع: جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے
- ع: رن کی زمیں لہو کے دڑیڑوں سے کٹ گئی
- ع: طرہ وہی ہے سب پہ مہیسر چڑھے جو پھول
- ع: ظالم نے سامنے جو پیاد گڈگا کے آب ۱۷۷ صفحہ ۳۳۶ جلد ۲
- ع: جنگل کی طرف دونگڑے پڑتے تھے لہو کے ۲۰۵ صفحہ ۱۲۵ جلد ۲
- ع: حصہ یہ اسی کا ہے جو قسمت کا دھنی ہے ۱۱ صفحہ ۸۴ جلد ۳
- ع: یوں دونگڑا ساڑھ میں پڑتا نہیں کبھی ۶۷ صفحہ ۳۴ جلد ۴
- ع: صدے سے رُخ پاک ہے کیسر کی طرح زرد ۱۱ صفحہ ۲۸ جلد ۴

- ع: وہ اوج ذوالفقار وہ جتنی بھووں کا بل ۱۴ صفحہ ۹۸ جلد ۴
 ع: ساونت بے حواس ہر اسان دھنی بلی ۱۶ صفحہ ۲۰۹ جلد ۴
 ع: تو نسے ہوئے سمندزبانیں نکالے ہیں
 ع: آنچ آتما کی جی کو جلانے تو کیا کروں

انیس سے پہلے مرثیے بہت سی مختلف بحروں میں کہے جاتے تھے مگر انھوں نے صرف تین چار بحریں منتخب کر لیں جو کانوں کو خوشگوار معلوم ہوتی ہیں جن میں فقروں کی ترکیب اور لفظوں کی بندش خود بخود چست ہو جاتی ہے اور رزم و بزم دونوں کے لیے مناسب ہیں۔

انیس نے شاہنامہ فردوسی پڑھا تھا اور اس کے مقامات ان کو مستحضر تھے۔ وہ اپنے کلام میں فردوسی کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں اور شاہنامہ کے اشخاص کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

- ع مشکلیں پرند آہوے رم خوردہ و شریر ۱۴۱ صفحہ ۳۴۲ جلد ۲
 سمجھے یہ سب کہ رخس پہ رستم سوار ہے ۱۴۲ صفحہ ۳۴۲ جلد ۲
 ع تیغ و سناں میں رشک نریمان و گیو تھا ۱۴۵ صفحہ ۳۴۳ جلد ۲
 تو لاشتی نے سنتے ہی یہ گزرگا و سر ۱۵۶ صفحہ ۳۴۴ جلد ۲
 زور اس سے چل سکے گا نہ رستم نہ گیو کا
 اس پیل تن کی ناپ طمانچہ ہے دیو کا ۱۱۳ صفحہ ۱۳۱ جلد ۳

یاں دوش سے کماں کو اتارا جناب نے قبضے میں ماہ نو کو کیا آفتاب نے
 بیٹے کے ہاتھ چوم لیے بو تراب نے تاکا خطا کو تیرنگہ سے صواب نے
 ترکش بھی اژدہا سا دہن کھولنے لگا
 نکلا عقاب تیر تو پر تولنے لگا

چلے میں رکھ کے تیر بڑھے قبلہ امم اک ہاتھ راست کر کے کیا دوسرے کو خم
 کچھ کہہ کے گوش شہ میں چلا تیر تیز دم آواز دی کماں نے زہے شاہ باکرم

..... چلہ توشت شاہ

..... واں تیر دل کو

مذکورہ بالا بندوں کا مقابلہ کرو اس شعر سے

ستوں کرد چپ را و خم کرد راست
غریو از خم چرخ چاپچی بخاست
انیس کی قوت ممیزہ بہت قوی تھی اور ہر قوت اس کی محکوم تھی۔

ان کو دیکھیے تو ہوشمشاد کو قمری سے حسد ۲۰ صفحہ ۵۷ جلد ۳ اس مصرعے کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے قد ایسے خوبصورت ہیں کہ قمری شمشاد کا عشق چھوڑ کر ان کے قد پر عاشق ہو جائے اور اس وجہ سے شمشاد قمری سے جلنے لگے۔ یہ ذرا الجھا ہوا بیان ہے اور انیس کے عام انداز کے خلاف ہے۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیوں میں بہت سے مقامات یکساں ہیں۔ اگر کسی طرح یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کون مضمون کس نے پہلے کہا اور کس نے اس کی نقل کی اور جواب دیا تو دونوں کی شاعری کے بارے میں بڑی لطیف بحثیں کی جاسکتیں۔ بحالت موجودہ دونوں کے یکساں مقامات کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مضامین میں انیس نے سبقت کی ہے اور دبیر نے تقلید وہاں انیس کا یہ قول صادق آتا ہے۔

مضمون انیس کا نہ چربا اتر

اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اتر

اور جہاں اس کا عکس ہے وہاں انیس کا یہ قول صادق آتا ہے۔

اے سخن نور کا سانچہ ہے طبیعت میری

کوئی کا واک جو مضمون ہو تو ڈھل جائے ابھی

چند مستثنیات بھی ہوں گے لیکن ظاہر ہے کہ جو رائے قائم کی جاتی ہے وہ اکثریت کی بنا پر ہوتی ہے۔

انیس کے مرثیے اپنے زمانے کے تمدن اور معاشرت کے بہترین پہلو کا آئینہ ہیں۔ ان سے اس زمانے کے شرفا کے نشست و برخاست کے طریقے، گفتگو کے انداز، شادی اور غمی کے رسوم وغیرہ بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بچوں کے زیور کے متعلق حسب ذیل دو

بندوں میں لکھتے ہیں۔

ناموس نبی میں تو قیامت یہ تھی برپا سر کھولے ہوئے پینتی تھی دختر زہرا
 راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا روتا ہوا اک طفلِ حسین خیمے سے نکلا
 آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی تھیں
 منہ چاند سا تھا ہنسلیاں گردن میں پڑی تھیں
 چہرے پہ بھلی لگتی تھی کیا زلف مسلسل ظاہر تھا کہ گھیرے ہوئے ہے چاند کو بادل
 تھا طوق گلو رشک ہلال شب اول ہاتھوں میں کڑے کان میں در سینے پہ ہیکل
 کرتے کا عجب رنگ تھا اس گل سے بدن پر
 معلوم یہ ہوتا تھا کہ شبنم ہے چمن پر

۱۰۴-۱۰۵ صفحہ ۸۲ جلد ۲

ساقی نامہ کی ابتدا

چھلکتے جام رہیں میکدہ رہے آباد خم غدیر کی دے ساقیا شراب مجھے
 صفحہ ۸۲ جلد ۲

ع: دوزخ سے جو آزاد کیا حر کو خدا نے اس مرثیے کے بند ۶۹-۷۱ میں
 عون و محمد کی جنگ کا بیان کرتے وقت حضرت علی سے مدد مانگی ہے۔ اسی سلسلے میں یہ مصرع
 بھی کہا ہے۔

ع: کوثر کا بھرا جام پلا دیجیے مولا یہی مصرع بند ۷ صفحہ ۴۰۹ جلد ۱-ن
 میں بھی ہے۔

ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلیں جام جن میں عوض نشہ ہو کیفیت انجام

ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے

کوثر کی وہ موج آگنی ہے خلد بریں سے

یہ مصرعے اس چیز کا سنگ بنیاد کہے جاسکتے ہیں۔ جو بڑھتے بڑھتے ”ساقی نامہ“ بن کر

آجکل مرثیے کا سب سے اہم جزو قرار پا گیا۔

غالباً دنیا کے کسی موضوع پر اتنا لٹریچر نہیں مل سکتا جتنا واقعہ کر بلا پر نظم و نثر دونوں میں ملتا ہے۔ دیکھو حیات دبیر جلد اول صفحہ ۳۹

انیس کا مندرجہ ذیل شعر ایک مشہور ہندی دوہے کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔

احسان بھی حیا بھی مروت بھی قہر بھی خود موت بھی حیات بھی امرت بھی زہر بھی

صفحہ ۳۶۹ جلد ۱۵۔ ن

بند ۶۔ ۱ صفحہ ۳۷۰۔ ۳۷۱ جلد ۱ میں امام کی خوش بیانی کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انیس کے نزدیک کلام کی خوبی کیا تھی۔

نولکشوری جلدوں میں جو مرثیہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے ع:

جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاہ کا مطیع نظامی کی جلد اول میں اسی مرثیے کی ابتدا میں ایک بند اور لگا ہوا ہے جو اس مصرع سے شروع ہوتا ہے۔ ع: واحسرتا کہ عہد جوانی گزر گیا۔ لکھنؤ کے بوڑھے لوگوں میں وہ مرثیہ اس آخر الذکر مطلع سے مشہور ہے۔ نظامی پریس کی جلد اول میں اس مرثیے کا مطلع یہ ہے: جب باغ جہاں اکبر ذیجاہ سے چھوٹا لیکن نولکشوری جلدوں میں اس کے پہلے ایک بند اور ہے جو اس مصرع سے شروع ہوتا ہے ع:

کیا زخم ہے وہ زخم کہ مرہم نہیں جس کا یہ مرثیہ بھی بعض لوگوں میں مطیع نظامی کی جلد والے مطلع سے مشہور ہے۔

سنسکرت کے قدیم نقادوں نے اثر کی نوعیت کے اعتبار سے شاعری کے جتنے اصناف قرار دیے ہیں ان سب کے بہترین نمونے انیس کے کلام میں مل سکتے ہیں۔

دبیر کے ایک ہی مرثیے میں بعض مقامات بہت اچھے اور بعض بہت برے ہوتے ہیں۔ انیس کے مرثیوں میں یہ تاہمواری نہیں ہے۔ مرزا دبیر کے مرثیوں میں بعض بند نہایت پر اثر ہوتے ہیں لیکن اگر ایک ہی مرثیے کے مختلف مقامات پر نظر کی جائے تو ان میں تناقض اور خلاف محل ہونے کا عیب اکثر پایا جاتا ہے مثلاً جب حرم قلعہ شیریں کے برابر آئے۔ نہایت پر اثر مرثیہ ہے اس میں وہ مقام بالخصوص نہایت غم انگیز ہے جس میں شیریں کا حضرت قاسم اور ان کی دولہن کی مہمانی کا سامان کرنا بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں یہ عیب ہے کہ جب شیریں واقعہ کر بلا سے بالکل ناواقف تھی تو اس کو حضرت قاسم کی شادی کا حال کیونکر معلوم ہوا۔

(ہر سلام اور مرثیے کا مقطع پڑھو)

انیس کے زمانے میں لکھنؤ کی عزاداری

ہر اک سب سبیل کا ہے چشمہ حیات صدقے ہیں ایک جام پہ سو کوزہ نبات
آتی ہے یاد تشنگی شاہ کائنات پردے میں اس کے حشر کی گرمی سے ہے نجات
پانی کو یاں کے چشمہ کوثر پہ فوق ہے

یاں خضر کو سبیل بنانے کا شوق ہے

آب حیات میں بھی نہ ہوگی یہ آب و تاب کوثر کے منہ میں نام سے جس کے بھر آئے آب
زمزم کو اس کی چاہ میں ہر دم ہے اضطراب خوشبو یہ ہے کہ شرم سے پانی ہے یاں گلاب

کہتا ہے آب نذر امام جلیل ہوں

دعویٰ سبیل کو ہے کہ میں سبیل ہوں

ہیں یہ گلاب پاش کہ فوارہ ہائے نور شمعیں ہیں دست حور میں یا ہے چراغ طور
پروانوں کی طرح سے ملائک کا ہے وفور کعبہ بھی گر طواف کو آئے تو کیا ہے دور

اس گھر کا نور زینت عرش الہ ہے

یہ بارگاہ قبلہ عالم پناہ ہے

ہے کل چشم حور و ملک اس مکاں کی خاک اے بدر آسمان شرف روحنا فداک
قربان تربتوں کے ثار ضریح پاک دل جس کو دیکھ دیکھ کے ہوتے ہیں چاک چاک

جرات کا جوش بھی ہے خدا پر نظر بھی ہے

قرآن بھی ہے حضور میں تیغ و سپر بھی ہے

ہے پست اوج پایہ منبر سے نہ فلک منبر پہ روضہ خواں ہے کہ ہے عرش پر ملک
پٹکوں کا نور اور علم پاک کی جھلک جس کی چمک زمین سے ہے آسمان تلک

مجلس میں مومنوں نے جو آنسو بہائے ہیں

دیکھو دعا کو ہاتھ علم نے اٹھائے ہیں

پیچیدہ عود کا یہ دھواں اور گلوں کی بو گویا کھلے ہیں گیسوے حوران ماہرو
بیاباں ہیں علی ولی شاہ نیک خو منبر کے پاس روتی ہے زہرا کشادہ مو

اس بزم میں رسول جو ماتم کو آئے ہیں

سر پیٹنے کو ہاتھ علم نے اٹھائے ہیں

ہے جلوہ گر جو حضرت عباس کا علم شوکت وہی ہے رعب وہی اور وہی حشم
مشک سکیں دیکھ کے لگتے ہیں تیر غم ہیہات ایسے شیر کے بازو ہوئے قلم

ہر دم رہے نہ کیوں دل زہرا بھرا ہوا

ہے آج تک لہو سے پھر ہرا بھرا ہوا

۱۷-۲۳ صفحہ ۱۴-۱۵ جلد ۲

مصرف دل سے ہیں مرے غم میں وہ خوش سیر سر پیٹنے میں ہوتے ہیں دس دن انھیں سر

بر میں سیہ لباس تو رخ آنسوؤں سے تر مجلس نہ جس میں ہو کوئی ایسا نہیں ہے گھر

ہر چند کس جگہ مرا غم دہر میں نہیں

ماتم جو کچھ ہے واں یہ کسی شہر میں نہیں

آداب تعزیت میں ہیں مصرف صبح و شام سو سو طرح کا نذر میں کرتے ہیں اہتمام

لب پر کبھی درود و تحیت کبھی سلام حرمت ضریح کی ہے علم کا ہے احترام

رہتے ہیں تربتوں کو وہ قرآن سمجھتے ہیں

منبر کو اور ضریح کو یکساں سمجھتے ہیں

پیاسوں کا ذکر تشنہ دہانی ہے جا بجا چشموں سے آنسوؤں کی روانی ہے جا بجا

ہم کو ملا نہ جو وہی پانی ہے جا بجا نوٹے ہیں اور مرثیہ خوانی ہے جا بجا

دل ان کے بیکسی پہ مری دردناک ہیں

سینے تو ہیں کبود گریبان چاک ہیں

دروازے پر سبیلیں ہیں لنگر ہیں جا بجا رستے ہیں مثل آئینہ قلب باصفا

بازار میں بلند ہے سقوں کی یہ صدا پی لو یہ آب بہر شہنشاہ کربلا

پیاسے نہ جاؤ نذر حسین قاتل ہے

تھا جس کا قحط اب وہی پانی سبیل ہے

کیا عشق ہے کہ نام پہ میرے فدا ہیں سب کیونکر نہ ہو غلام شہ لافتا ہیں سب
غمخوار اہلبیت رسول خدا ہیں سب مظلوم کے ہیں دوست کثیر البکا ہیں سب

سبط نبی کی پیاس پہ آنسو بہاتے ہیں
خنجر کا نام سن کے تو غش ان کو آتے ہیں

سننے ہیں نامرادی قاسم کا جب بیاں سر پیٹتے ہیں سب نئے دولہا بصد فغاں
غش کرتے ہیں کہ مر گئے عباس نوجواں اکبر کے غم سے چشم کسی کی ہے خونفشاں
جب ذکر تشنہ کامی اصغر کے ہوتے ہیں
کرتوں سے منہ کو ڈھانپ کے بچے بھی روتے ہیں

پیا سے رہے ہیں ساتویں تاریخ سے جو ہم شربت پہ نذر دیتے ہیں وہ صاحب کرم
ہوتا ہے آٹھویں سے تو سب شہر بزم غم تابوت واں اٹھاتا ہے کوئی کوئی علم
روح علی بھی ساتھ محبوبوں کے ہوتی ہے

زہرا ہر ایک بزم میں جا جا کے روتی ہے
دل دل بنا کے لاتے ہیں وہ سب بچشم تر مجلس کے لوگ پیٹتے ہیں اٹھ کے اپنے سر
چھینٹیں لہو کی زین پر اور تیر ادھر ادھر ہرنے سے وہ لنگھتی ہوئی تیغ اور سپر
غش آتے ہیں کلیجوں پہ شمشیر پھرتی ہے
آنکھوں میں ذوالجناح کی تصویر پھرتی ہے

ہوتی ہے جب عیاں وہ شبِ عسرت و ملال جس کی سحر کو قتل ہوا فاطمہ کا لال
ہوتا ہے فرط غم سے عجب عورتوں کا حال ماتم میں کھول دیتی ہیں اپنے سروں کے بال
ہر تعزیہ کے سامنے یوں بین ہوتے ہیں
جیسے کسی عزیز کی میت پہ روتے ہیں

روتی ہیں بیبیاں جو گھروں میں بشور و شین اس وقت یاد آتے ہیں زینب کے مجکو بین
چلاتی ہیں جو لڑکیاں ہے ہے مرے حسین یاد آتی ہے سیکنہ مجھے اپنی نور عین
ان کی بکا سے تیر الم دل پہ چلتے ہیں
غربت پہ اپنی خود مرے آنسو نکلتے ہیں

ہاں اہل عزا روؤ کہ ماتم ہوا آخر اے مجلسیو پیٹو کہ یہ غم ہوا آخر
 سامان عزائے شہ عالم ہوا آخر کیا مجمع احباب تھا برہم ہوا آخر
 یہ مجلس آخر ہے جگر بند بنی کی
 تم لوگوں سے رخصت ہے حسین بن علی کی
 کیا خوب کئے آٹھ دن اور دو یہ مہینے نیلے رہے ماتم سے عزا داروں کے سینے
 کوتاہ کیا ہاتھ نہ ماتم سے کسی نے ہر روز دعائیں تمہیں دیں روح نبی نے
 دل روتا ہے صدمہ ہے عجب طرح کا جاں پر
 دیکھو تو کہ کیا آج اداسی ہے مکاں پر

۹۰-۹۶ صفحہ ۱۳۱ جلد ۴

روتے ہیں ملائک یہ عزا خانہ ہے کس کا جنت سے علی آئے یہ کاشانہ ہے کس کا
 ہر شمع کو رقت ہے یہ افسانہ ہے کس کا گردش میں ہے خورشید یہ پروانہ ہے کس کا
 اٹھتے ہیں علم سب کے گریبان پھٹے ہیں
 کس شیر کے بازو تہ شمشیر کئے ہیں
 یہ لشکر غم ہے کہ عزا داروں کی صف ہے گوہر ہے جو ہر اشک تو ہر چشم صدف ہے
 کون اٹھ گیا کیوں رونے کا غل چار طرف ہے ہاں ماتم فرزند شہنشاہ نجف ہے
 خالی نہیں مجلس میں جگہ نوحہ گروں سے
 پر سے کو علمدار کے آئے ہیں گھروں سے

۴-۵ صفحہ ۲۳۹ جلد ۱

اللہ رے وفا داری عباس خوش اطوار ہے بعد فنا بھی وہی عشق اور وہی پیار
 رکھتے ہیں چپ و راس علم شہ کے عزا دار اور بیچ میں ہوتی ہے ضریح شہ ابرار
 مرنے پہ بھی عشق شہ خوشخو نہیں چھوڑا
 اب تک شہ مظلوم کا پہلو نہیں چھوڑا
 مرتے رہے شبیر پہ جب تک کہ جیے ہیں بیجاں تو ہیں بھائی پہ مگر جان دیے ہیں

بے دست ہیں ہاتھوں سے مگر سایہ کیے ہیں آغوش میں فرزند پیمبر کو لیے ہیں
 عاشورے کے دن تعز یہ داری میں ہیں آگے
 گھر میں تو ہیں پہلو میں سواری میں ہیں آگے

۱۲-۱۵ صفحہ ۲۶۰ جلد ۱

اکبر نے جب علم کو اٹھایا بدرد و آہ رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
 ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ باندھو علم میں مشک بھی اے میرے رشک ماہ
 ہے جس طرح زمانے میں اندوہ و غم کا ساتھ
 اب حشر تک رہا یونہیں مشک و علم کا ساتھ

۲۲ صفحہ ۳۰۰ جلد ۱ مصرع ۳-۶

نہیب سے روکے کہنے لگے سرور زمن لے کر نشان کو جائے کہاں اب یہ بے وطن
 اب تو نہ فوج ہے نہ علمدار صف شکن گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اے بہن
 لو یہ نشانی شہ دلدار سوار لو
 چکا علم سے کھول لو پنچہ اتار لو

۱۵۷ صفحہ ۳۰۲ جلد ۱

کچھ بات کر اے یار وفادار ہمارے اے عالم غربت کے عزا دار ہمارے
 اے صف شکن اے صفدر و جرار ہمارے تا حشر تجھے روئیں گے غمخوار ہمارے
 رتبہ ہے ترا سب سے دو بالا شہدا میں
 اک دن ترے حصے کا ہے ایام عزا میں

۱۳۲ صفحہ ۱۹۵ جلد ۲



رباعیات

رومال ہے اشکوں سے بھگونے کے لیے یہ راتیں یہ دن نہیں ہیں سونے کے لیے
ہنسنے کے لیے تو سال بھر ہے یارو دس روز محرم کے ہیں رونے کے لیے

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار شادی کی خوشی میں غم کی ہے غم میں بہار
چھایا ہے دلوں پہ ابر اندوہ و ملال رونے کی ہے عشرہ محرم میں بہار

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے سینے کو سرور شہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم یہ کہتی ہے دکھا کر در اشک رونے کا مزہ ماہ محرم میں ہے

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے کیوں صاحبو ہو گیا محرم افسوس

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں بے شبہ یہ اندوہ و الم کے دن ہیں
کیونکر نہ کریں شیعہ قیامت برپا بے سر ہوئے شبیر ستم کے دن ہیں

صفحہ ۹۶، ۱۱۲، ۱۲۰، ۱۳۲، ۲۲۰ جلد چہارم

ورق درمیان صفحہ ۱۵۳، ۱۵۵ مقبوضہ اچھے صاحب

عجب ملال کا ہے روز روز قتل حسین کہ بادشاہ بھی تکیے پہ سر نہیں رکھتے۔ مولیٰ

مراثی مطبوعہ میں ایک لفظ بونزی اور بوڑی دو طرح چھپا ہے۔ ۲ صفحہ ۲۶۹ جلد ۴ و

صفحہ ۳۵۵ ج ۱۱، ۹۔ معلوم نہیں کہ اس کا صحیح تلفظ کیا ہے۔

حضرت زینب اپنے بیٹوں سے فرماتی ہیں

”تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو“ ۷۸ صفحہ ۱۶۹ جلد ۱

ع: ڈرتے نہیں مرنے سے کہ ہم حق کی طرف ہیں ۹ صفحہ ۲۲۱ جلد ۱ رفیقان حسین کی کی سیرت اور ان کے جانبازانہ کارناموں کا خاص سبب وہ تھا جو اس مصرع میں بیان کیا گیا۔

ہے ان کا تبسم نمک خوان تکلم ۷۱ صفحہ ۳۳۹ جلد ۱

میر انیس فکر شعر میں بڑی محنت کرتے تھے۔

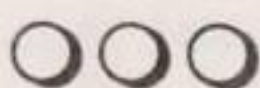
گھٹا فکر میں جسم مثل قلم

سراپا کو صرف زباں کر دیا

صفحہ ۱۹۲ جلد ۳

بعض مرثیوں میں بعض مقامات ایسے تھے جو اہل سنت کے عقائد کے خلاف تھے۔ ان کو انیس نے خود بدل دیا یا حذف کر دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے بعض مقامات مرثیہ چھاپتے وقت نکال دیے گئے ہوں۔ جلد چہارم میں ایک مرثیہ ہے، جب قطع ہوئے نخل گلستان علی کے۔ اس میں سے جو بند نکال ڈالے گئے ہیں وہ اچھے صاحب والی کتاب میں موجود ہیں۔

صنایع معنوی صنایع لفظی سے زیادہ لطیف اور حسن کلام کا باعث ہوتے ہیں۔ صنعت کے لیے انیس کوئی عیب یا سقم گوارا نہیں کرتے۔ اگر تمام لوازم فصاحت کے ساتھ بے تکلفی سے کوئی صنعت آسکتی ہو تو اس سے ضرور کام لیتے ہیں۔



۲۲۔ مندرجہ ذیل باتیں کلام انیس میں تلاش کرنا چاہیے

- (۱) شہسواری اور فنون جنگ کی اصطلاحیں
- (۲) آلات حرب اور ان کے اجزا کے نام
- (۳) انصار حسین اور رفقاء یزید کے نام
- (۴) کتب حدیث و مقاتل کی پابندی
- (۵) عربی اقوال و اشعار اور آیات و احادیث کے ترجمے
- (۶) ہندی اور فارسی و عربی الفاظ کی تعداد
- (۷) امام حسین کو کتنے لفظوں سے ذکر کیا ہے

یہ رباعی کس کی ہے؟

گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو
اے قبر کہاں کہاں نہ کی تیری تلاش جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو
(میر انیس کی اسی مضمون کی رباعی سے مقابلہ کرو)



۳۳۔ مقابلہ کرو (یہ صرف مسودے میں ہے)

(۱) بند ۷۰ صفحہ ۳۳۴ جلد (۲) گدا کا وہ بند جس کی بیت یہ ہے: شیر الہی کے ہم پوتے ہیں..... قابل شمشیر ہیں۔

(۲) سلام انیس ۲۷ (۳) ناسخ کی ہم طرح غزل

(۳) بند ۶۱، ۶۱ (۳)۔ بند ۷، ۲۱۵، (۳) بیت

(۴) بند ۹۴، ۱۰۲ (۳)۔ مرزا دبیر کا ایک ایسا بند جو ”یادگار انیس“ میں نقل کیا گیا ہے۔

(۵) بند ۶۸، ۶۹، ۱۲۶ (۳) بند ۱۳۳، ۱۶، ۱۴۲ (۳)

(۶) بند ۸، ۱۱۹ (۳)۔ بند ۱۹، ۱۷۳، (۳)

(۷) بند ۶۳، ۱۷۷ (۳)۔ بند ۷۵، ۱۷۷ (۳)

(۸) بند ۵۹، ۱۷۷ (۳)

(۹) یوں ان کے بیچ میں تھے شہ آسماں جناب ہو جس طرح خطوط شعاعی میں آفتاب

(کیا دوسرا مصرع یہی ہے؟)

یوں آگیا سانوں میں وہ آسماں جناب ہو جس طرح خطوط شعاعی میں آفتاب

(بند ۱۴۰، ۳۷۶)

(۱۰) بند ۸۹، ۴۵ (۴)۔ بند ۲۶، ۱۳۳ (۲) ایک کیفیت کی دو تعبیریں

(۱۱) بند ۳۵، ۳۶، ۱۷۶ (۴) مرزا دبیر کا وہ بند جو اس مصرعے سے شروع ہوتا ہے۔

آئے قریب فوج تو تھرا کے رہ گئے بند ۱۳، ۱۴، ۳۸۲ (۱)

(۱۲) بند ۱۹، ۱۸۷ (۴) بیت و بند ۸، ۲۱۵ (۴) بیت

(۱۳) بند ۲۶، ۲۸، ۲۱۵، ۲۱۶ (۴) شیریں کا امام کی مہمانی کا بند و بست کرنا دبیر کے اس

مرثیے میں: جب حرم قلعہ شیریں کے برابر آئے

(۱۳) بند ۲۸-۲۹، ۲۳ (۴) حیدری صف میں حسینی علم آتے ہوں گے

(۱۵) بند ۱۷، ۲۳۶، (۴) شیر شبیر کا جکڑا گیا زنجیروں میں

(۱۶) بند ۹۳-۹۴، ۸۱، (۱)۔ بند ۳۲-۳۳، ۱۲۲ (۳)

(۱۷) بند ۹۲، ۲۳۱ (۱) تمثیلی پیرائے میں وہی بات کہی گئی ہے جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے

قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

(۱۸) بند ۱۴۳، ۲۳۶ (۱)۔ وہ عربی نظم جو مقدمہ حالی میں نقل کی گئی ہے۔

(۱۹) غش آتا تھا جب ضعف سے تھراتے تھے عباس

یا شیر خدا کہہ کے سنبھل جاتے تھے عباس

پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے تھے

یا علی کہتی تھیں زینب تو سنبھل جاتے تھے

(۲۰) بیٹی سے کہا دست پر ماتھے پہ رکھ کر لو آخری تسلیم بجالاتے ہیں اصغر۔ بند ۶۴، ۸۸ (۲)

دبیر کا ایک ایسا ہی بند۔

(۲۱) منصب مرا مرجانا ہے اور خلد ہے جاگیر۔ بند ۸۰، ۱۳۹، (۲) منصب شہادت ہے مرا

خلد بریں جاگیر ہے۔ بند ۵۳، ۵۴، ۳۱۸ (۲)

(۲۲) بند ۱۹، ۶۵، (۲) ۵۳، ۱۶۰ (۴)

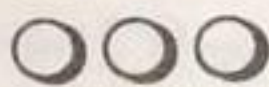
(۲۳) آنکھوں میں پھر گیا نہ مژہ کو خبر ہوئی بند ۱۴۰، ۳۴۲، (۲) پتلی پہ ہو پتلی تو نہ آنکھوں کو

خبر ہو۔ بند ۱۱۰، ۱۹۳ (۲) آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو۔ بند صفحہ۔ و بند

۶۵، ۱۴۸، (۳) بیت و بند ۶۵، ۱۸۰، (۴) بیت۔

(۲۴) بند ۱۹۸، ۲۴۸ (۲) مصرع ۶، ۴، پدر پہ آج..... رات ہے بیٹا۔ لہو میں کیا مرا.....

آفتاب ڈوب گیا۔



NAQD-E-ANIS

by

Syed Masood Hasan Rizwi Adeeb

ناشر



SHAHID PUBLICATIONS

SHAHID PUBLICATIONS

2253 DARYA GANJ NEW DELHI-110002